فلسفۂ تحریک

(فکری وحدت، اِجتماعیت اور منہج و مقصد)

ڈاکٹر حسین محی الدّین قادری

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : **فلسفۂ تحریک**

(فکری وحدت، اِجتماعیت اور منہج و مقصد)

تصنیف : **ڈاکٹر حسین محی الدین قادری**

معاوِنت : جلیل احمد ہاشمی، محمد فاروق رانا

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : دسمبر 2012ء

تعداد : 2,400

قیمت :

Web: www.hmqadri.com

Email: info@hmqadri.com

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ ﴾

فہرس

صفحہ	عنوانات
11	تعارف ڈاکٹر حسین محی الدین قادری
17	مقدمہ
22	۱۔ حصولِ برکات وجلاء القلوب
24	۲۔ حصولِ تربیت
25	(۱) اِستقامت
26	(۲) غیر متعلقہ سوال کی ممانعت
27	(۳) شکستگیِ قلب
28	(۴) نفسِ اَمارہ کا قتل
29	(۵) عجب وریا سے پرہیز
30	۳۔ مقامِ مشاہدہ
30	۴۔ اِنکشافِ حقیقت

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

صفحہ	عنوانات
	باب اوّل
33	تحریکی زندگی کا مقصد اور لائحہ عمل
38	ا۔ ریل گاڑیاں اور مسافروں کی اَقسام
41	۲۔ داعی پر اعتماد کی بنیادیں
41	(ا) کردار کی عمدگی
43	(۲) شعورِ منزل
43	(۳) ٹرین اور راستہ
44	(۴) ذِمہ داری کا شعور
46	۳۔ خوش گوار تنظیمی سفر
48	۴۔ کام یاب سفر کے لیے یقین کامل ہونا ضروری ہے
49	۵۔ تجدیدی تحریک سے مراد
50	٦۔ تحریکی فکر سے مکمل شناسائی کیوں ضروری ہے؟
51	حرفِ آخر

صفحہ	عنوانات
	باب دوم
55	تحریکی زندگی: واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کی روشنی میں
58	۱۔ ذات کی نفی کرنا
60	۲۔ جواں ہمت ہونا
61	۳۔ اَن تھک جدوجہد
62	۴۔ اِخلاص اور محنت کا سنگم
64	۵۔ حقیقی منزل کا تعین (روحانی تیقن)
65	۶۔ منزل کا جنوں
68	۷۔ تحریکی زندگی اور شیطانی حملے
70	۸۔ سراغ زندگی
71	۹۔ جدوجہد اور رضائے الٰہی
73	۱۰۔ سرِ تسلیم خم کرنا
76	۱۱۔ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے
77	۱۲۔ اجتماعی سوچ کو انفرادی سوچ پر ترجیح دینا

صفحہ	عنوانات
78	۱۳۔ تحریک سے غداری ناقابلِ معافی جرم ہے
79	۱۴۔ ردّ عمل کا شکار نہ ہوں
82	۱۵۔ بد دیانتی اور خیانت ایک مہلک مرض
82	حاصل کلام
	باب سوم
87	**تنظیمی اُمور میں باہمی تعاون کی ناگزیریت**
90	۱۔ باہمی رابطے کی اہمیت
91	۲۔ کیئرنگ اینڈ شیئرنگ کی اہمیت
92	۳۔ کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا
94	۴۔ باہمی روابط: ایک تحریکی ضرورت
96	۵۔ ذاتی ترغیبات کی نفی
97	۶۔ کردار سازی کا معیار کیا ہو؟
98	۷۔ وسیع النظری میں عظمت ہے
100	واقعہ معراج
102	۸۔ مثالی کردار

صفحہ	عنوانات
104	۹۔ دنیا کو دل میں جگہ نہ دیں
106	۱۰۔قول و فعل کا ایک ہونا
108	۱۱۔تحریک جواں جذبوں کی متقاضی ہے
109	۱۲۔تحریک اور خواہش مراتب
111	۱۳۔تحریک اور اجتماعی سوچ
112	خلاصہ کلام

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

(ایک تعارف)

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری ایک عظیم علمی، دینی اور روحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، جنہوں نے علمی و ادبی اور روحانی صلاحیت اپنے جدِامجد فریدِ ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کے ورثہ سے اور اپنے والد گرامی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی شبانہ روز تربیت سے حاصل کی ہے۔

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری منہاج القرآن انٹرنیشنل کی مجلسِ شوریٰ کے صدر، منہاج یونی ورسٹی لاہور (چارٹرڈ) کے بورڈ آف گورنرز کے رُکن اور منہاج القرآن انٹرنیشنل ہی کی سپریم کونسل کے بھی رکن ہیں۔ منہاج القرآن ایک اِصلاحی، رفاہی، سماجی اور روحانی تنظیم ہے جو دنیا کے نوے سے زائد ممالک میں قیامِ اَمن، بین المذاہب رواداری، انتہا پسندی کے خاتمے، اعتدال پسندی کے فروغ، عدل و انصاف، تحمل و رواداری اور حقوق انسانی کی بحالی کی جد و جہد میں سرگرمِ عمل ہے۔

ڈاکٹر حسین اکتوبر 1982ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایچی سن کالج لاہور سے حاصل کی۔ اِنٹر تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد کینیڈا چلے گئے جہاں اُنہوں نے اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس کے موضوع پر YORK یونی ورسٹی ٹورانٹو سے گریجوایشن کی۔ اس یونی ورسٹی میں اپنے قیام کے دوران شان دار تعلیمی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ آپ اہم ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی متحرک رہے اور یونی ورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کی صدارت کے لیے انتخابات میں حصہ لیا اور شاندار فتح حاصل کی۔ 2006ء میں فرانس چلے گئے اور پیرس کی معروف یونی ورسٹی Sciences-Po سے عالمی معیشت میں MBA کی ڈگری حاصل کی۔ پھر کچھ عرصہ لاہور یونی ورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) میں بطور رِیسرچ فیلو

خدمات سرانجام دیں۔

آپ نے حال ہی میں ملبورن آسٹریلیا کی وکٹوریہ یونی ورسٹی سے درج ذیل موضوع پر اپنی PhD مکمل کی ہے:

An Analysis of Trade Flows Among ECO Member Countries and Potential for a Free Trade Area

اپنے مقالہ میں آپ نے پاکستان، ایران، ترکی اور نو آزاد وسطی ایشائی ریاستوں کے معاشی اتحاد اور تقابل کرتے ہوئے ایک رول ماڈل تشکیل دیا ہے کہ کس طرح یورپی یونین کی طرز پر یہ خطہ ایک موثر معاشی طاقت کے طور پر ابھر سکتا ہے۔ ڈاکٹر حسین ایک اُبھرتے ہوئے ماہرِ معاشیات ہیں جو اِس میدان میں ایک نئی سوچ اور فکر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اپنی عمیق نظری، تخلیقی تخیل اور فکرِ رسا کی بدولت ڈاکٹر حسین معاملہ فہمی اور فیصلہ سازی میں ہمہ جہتی نقطہ نظر رکھنے والے اہلِ دانش میں سے ہیں جو بڑی خوبی سے دقیق مسائل کا عملی حل پیش کرتے ہیں۔ مسلم ممالک کے اقتصادی مسائل پر ان کی گہری نظر ہے اور مسلم ممالک کے مشترکہ سماجی، سیاسی و اقتصادی بلاک کے طور پر کام کرنے والی دولت مشترکہ کا نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ ان ممالک کو اَقوامِ عالم میں خوش حال اور ترقی یافتہ ممالک کی صف میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ آپ نے سیکولر سائنسز کے حصول کے ساتھ ساتھ شریعہ اور قدیم اسلامی علوم بھی معروف عالمی اسلامک اسکالرز سے حاصل کیے۔

ڈاکٹر حسین کے مختلف قومی و بین الاقوامی، سیاسی اور معاشی و معاشرتی موضوعات پر انگریزی / اُردو میں کئی آرٹیکل شائع ہو کر علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ سماجی جدلیاتی پس منظر میں عالم اسلام کی اِقتصادی حکمت عملی اور ان کی اقتصادیات کو ترتیب دینے والے معاشی مضمرات ان کے پسندیدہ موضوع ہیں۔ بین الاقوامی تحقیقی جرائد

و رسائل کے علاوہ پاکستان کے معروف انگریزی اور اردو روزناموں - The News، Business Recorder، The Nation، The Money Plus - میں سماجی، اقتصادی، معاشرتی، سیاسی، قومی اور بین الاقوامی موضوعات پر ان کی سیکڑوں تحریریں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ پہلی ادبی کاوِش آپ کا وہ شعری مجموعہ ہے جو نقشِ اَوّل (ISBN 978-969-0740-8) کے نام سے جولائی 2007ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ شعری مجموعہ آپ کے تیرہ سال سے اُنیس سال تک نوعمری کی سات سالہ قلمی نگارشات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ آپ کا دوسرا علمی شاہکار فروری 2008ء میں فرانسیسی زبان میں طبع ہوا ہے۔ اِس کا عنوان Stratégie de diversification d'EDF à l'étranger ہے اور اِس کتاب کا عالمی معیاری نمبر 978-969-32-0792-7 ہے۔ ایک سوصفحات پر مشتمل اِس کتاب میں فرانس کی سب سے بڑی نیم سرکاری کمپنی EDF کے بارے میں انتہائی مفید معلومات اور چشم کشا حقائق درج کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر حسین نے ''پاکستان میں شکر سازی کی صنعت'' پر تحقیقی اور مدلّل کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے پاکستان میں اِس صنعت کے مختلف گوشے اُجاگر کیے ہیں۔ نیز اِس صنعت کو درپیش مسائل، اَسباب اور اُن کے حل کے لیے نہایت ٹھوس اقدامات بھی تجویز کیے ہیں۔

ڈاکٹر حسین نے اپنی کتاب *Sugarcane Ethanol as an Alternate Fuel Source for Pakistan* - جس کا عالمی معیاری نمبر 978-969-32-0802-3 ہے- میں گنے کے ethanol سے توانائی پیدا کرنے کے بارے میں نہایت جامع تحقیق پیش کی ہے۔ آپ کی اس کتاب کی سرکاری حلقوں میں خاص پذیرائی ہوئی ہے اور حکومت نے اِسے توانائی کے مسئلے پر قابو پانے کے لیے ایک اہم تحریر قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر حسین سارک ممالک اور عالمی منظرنامے پر بھی ایک تصنیف رکھتے ہیں،

جس کا عنوان ہے: *SAARC & Globalization: Issues, Prospects & Policy Prescriptions*۔ اِس کتاب کا عالمی معیاری نمبر 978-969-32-0840-5 ہے۔ اِس میں اُنہوں نے جنوبی ایشیائی ممالک کی اِس تنظیم کے مسائل اور پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ان کی پالیسی کے بارے میں قابل عمل تجاویز پیش کی ہیں۔ اُنہوں نے اِس حقیقت پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ سارک اپنا ایجنڈا پورا کرنے میں کیوں ناکام رہی ہے؟ اور سارک ممالک انفرادی اور اجتماعی سطح پر دہشت گردی سے نبٹتے ہوئے کس طرح اپنی معاشی ترقی کے نئے مواقع پیدا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر حسین نے ''پاکستان میں بجلی کا بحران اور اُس کا حل'' کے نام سے بھی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اِس گراں قدر تحقیق میں اُنہوں نے معروضی حقائق کی بنیاد پر نہ صرف بحران کا باعث بننے والے اَسباب و محرکات کا گہرائی میں جاکر جائزہ لیا ہے بلکہ اُن کے ممکنہ حل کے لیے ایسے اقدامات تجویز کیے ہیں جنہیں بروئے کار لاکر اِس مسئلے پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر حسین نے ''بچوں کا اِستحصال (ایک معاشرتی المیہ)'' کے عنوان سے ایک بے نظیر و بے مثل تحقیقی کتاب تالیف کی ہے، جس میں اُنہوں نے بچوں کے استحصال اور ان سے قطع تعلقی کے معاشرتی اَلمیے پر بحث کرتے ہوئے باور کرایا ہے کہ اگر اِس رویے کے قلع قمع کے لیے مؤثر اقدامات نہ کیے گئے تو اِس کے اَثرات و مضمرات بنی نوع انسان کے لیے نہایت بھیانک اور تباہ کُن ہوں گے۔

''پاکستان میں گندم کی پیداوار (طلب اور رسد کا تقابلی جائزہ)'' کے عنوان سے مطبوعہ تصنیف (ISBN 978-969-32-0844-3) میں آپ نے پاکستان میں کاشتہ گندم اور آٹے کی صنعت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اِس کی پیداوار میں اِضافے اور کمی کے اَسباب کے سدباب کے لیے اُنہوں نے نہایت مفید اور قابلِ عمل تجاویز فراہم کی ہیں۔ پالیسی سازوں کے لئے یہ کتاب ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر *Economics of Agriculture Industry in Pakistan* حسین کی دو جلدوں پر مشتمل انتہائی اہم کتاب ہے۔ اس ضخیم کتاب میں آپ نے زراعت کو بطور صنعت ترقی دینے کے بارے میں مدلل اَبحاث کی ہیں۔ نیز یہ کہ پاکستان اس صنعت کو ترقی دے کر ہی معاشی خود کفالت کی منزل پاسکتا ہے۔ زراعت پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے مگر یہ صورت حال انتہائی افسوس ناک ہے کہ موزوں موسمی حالات، زرخیز زمین اور محنتی کاشت کار ہونے کے باوجود ملک خود کفالت سے کہیں پیچھے رہ گیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی سب سے بڑی زرعی یونی ورسٹی نے اسے اپنی ریفرنس بک قرار دیا ہے۔

''اسلام اور تحفظِ ماحولیات'' اگست 2011ء میں شائع ہوئی۔ اگرچہ پاکستان میں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ تاہم اس تناظر میں یہ تحقیقی کاوش ان کی عمیق نگاہی کی عکاس ہے۔

ڈاکٹر حسین کی کئی اور کاوشیں ترتیب و تدوین اور اشاعت کے مختلف مراحل میں ہیں جو پاکستان میں تعلیمی نظام، اِسلامی اِقتصادیات، مسلم اُمہ کو درپیش مسائل اور Islamic Business Ethics جیسے اہم موضوعات پر ہیں۔

ڈاکٹر حسین ایک مَشاق صاحبِ قلم کی حیثیت سے ایک روشن مستقبل کے حامل ہیں۔ خدا داد فکری اور انفرادی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش کو علم و عرفان کے نور سے منور کر رہے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کی محبت سے سرشار اور حب الوطنی کے جذبہ سے لیس آپ مسلم ممالک کے تعلیمی، اِقتصادی، صنعتی اور تجارتی معاملات کو سلجھانے کی فکر و دانش سے مزیّن ہیں۔ فعال اور صاحبِ اِدراک قائد کی حیثیت میں فتح و نصرت کی نئی منزلوں تک لے جانے کے جذبے سے سرشار ہیں۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ نئی تصنیف ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی علمی گیرائی اور فکری بصیرت کا شاہکار ہے جس میں اُنہوں نے تحریکی فکر اور کارکنان و وابستگان

سے متعلقہ چند اَہم فکر انگیز موضوعات کو اِنتہائی آسان پیرائے میں تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔

ربِّ ذُوالجلال اُن کی صلاحیتوں اور علم و عمل میں مزید اِضافہ فرمائے اور اُنہیں دینِ اِسلام اور ملک و قوم کی بہتر خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔

(آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

(محمد فاروق رانا)

ڈپٹی ڈائریکٹر (رِیسرچ)

فریدِ ملتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

مُقدّمہ

نیکی وہی قابلِ قدر ہے جو صحیح موقع پر کی جائے۔ صحیح موقعہ علم و اِدراک کا تقاضا کرتا ہے۔ کسی چیز کی بروقت آگہی کے باعث ہی انسان وہ کچھ حاصل کرلیتا ہے جو عدمِ آگہی سے کبھی ممکن نہیں۔ مثلاً ایک ڈاکٹر یا طبیب اَمراضِ معدہ کا انتہائی ماہر ہے لیکن اُس کی مہارت اور تجربہ کاری سے وہی مریض فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے اُس ڈاکٹر یا طبیب کی اِس مہارت کا علم ہوگا۔ چنانچہ ہم اپنی روز مرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ کسی کے چلے جانے کے بعد یا وقت گزرنے کے بعد جب یہ علم ہوتا ہے کہ فلاں شخص تو اپنے دور کا مردِ کامل تھا یا فلاں اپنے وقت کا مقبول الدعا درویش تھا؛ یا فلاں کام تو بہت عظیم اور تاریخی اَہمیت اور دور رس نتائج کا حامل تھا، یا فلاں وقت تو خدمتِ دینِ اِسلام کے لیے اِنتہائی ناگزیر تھا، تو ہمیں بڑا صدمہ محسوس ہوتا ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ کاش ہمیں بر وقت علم و اِدراک ہوجاتا تو ہم بھی صحبتِ صالح سے مستفیض ہوجاتے، ہم بھی خدمتِ دین کے عظیم کام میں کچھ حصہ ڈال لیتے؛ لیکن یہ پچھتانا اب کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

ہمیں علم ہونا چاہیے کہ بلاشبہ تحریک منہاج القرآن دینِ اِسلام کی تجدید و اِحیاء کی ایک عظیم تحریک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا ہے اور ہماری یہ خوش بختی ہے کہ اُس نے خدمتِ دین کی اس تحریک میں شمولیت کی توفیق و موقع بخشا وگرنہ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں اِس کی شناسائی تک میسر نہیں۔

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو دین کی خدمت کے لیے منتخب کرلے تو پھر وہ پرکھتا رہتا ہے کہ وہ شخص اس اِنتخاب کی کہاں تک لاج رکھتا ہے! اب اس شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے قول و فعل سے خود کو اس ذمہ داری کا اَہل ثابت کرے۔ حقیقت یہ ہے جب اللہ ﷻ کسی تحریک کو اپنے دین کی چاکری کے لیے چنتا ہے تو اس میں شامل ہر

شخص پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں کامل اِخلاص سے سرانجام دے گا۔ اب یہ اس شخص کے لیے کس قدر شرم اور بدبختی کی بات ہوگی کہ وہ اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کرتے ہوئے اس کے بھروسے کی لاج نہ رکھے۔

اِس سلسلے میں قرآن حکیم میں تخلیقِ آدم علیہ السلام کا واقعہ خصوصی طور پر ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پیکر بشری کو تخلیق فرما کر اسے دنیا میں اپنا خلیفہ بنانے کا اِرادہ ظاہر کیا تو یہ ایک فیصلہ تھا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اپنے فیصلے پر بھروسہ تھا۔ جب ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت پر اپنے بعض خدشات کا اِظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری ثابت کرنے کے لیے ان کو ملائکہ کے سامنے بطور آزمائش کھڑا کیا؛ اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے ہر سوال کا جواب دے کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھروسے کی لاج رکھی۔

اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمتی ہونے کا شرف عطا کیا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری جیسی عظیم المرتبت شخصیت کی رہنمائی میں دین کی عظیم تحریک منہاج القرآن کے لیے منتخب فرمایا۔ یاد رکھیں! اللہ کے خواص بندے ہی اس کے چنیدہ نہیں ہوتے بلکہ جو لوگ ان کی رہنمائی میں ان کے ساتھ مل کر دین کی خدمت کا فریضہ ادا کرتے ہیں وہ بھی چنیدہ ہی ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اُس نے ہمیں اِس تحریک کے لئے چن لیا۔ چنانچہ ہر چنیدہ شخص - خواہ وہ عام رکن ہے یا کوئی عہدے دار - وہ جس منصب پر بھی کام کر رہا ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی لاج رکھنا ہے اور صدقِ دل سے اِخلاص کے ساتھ دین کی راہ پر چلتے ہوئے ہر آزمائش پر پورا اترنا ہے۔ تحریک کے ہر کارکن کا کردار ایسا مثالی ہونا چاہیے کہ جو شخص ایک بار آپ سے مل لے، آپ کے کردار کی خوشبو اسے زندگی بھر کبھی نہ بھولے۔

یہ دنیا رزمِ گاہِ آزمائش ہے، جہاں قدم قدم پر نفس اور شیطان مختلف بہانوں سے انسان کو راہِ حق سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی خود نمائی اور انا پرستی میں مبتلا کرتے ہیں کہ ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں، کبھی نام نہاد بزرگی کے زعم میں خود کو اپنے ساتھیوں سے ممتاز بننے کی ترغیب دیتے ہیں، کبھی عہدہ و منصب کے حصول میں سرگرداں کرتے ہیں، کبھی مالی مفادات کا اسیر بنا کر دھوکہ دہی اور فراڈ میں مبتلا کرتے ہیں۔ کچھ بن نہ پڑے تو خاطر خواہ عزت و وقار نہ ملنے پر خدمتِ دین کی عظیم کاوِش کو چھوڑ کر علیحدہ ہوجانے پر آمادہ کردیتے ہیں۔ غرضیکہ نفس اور شیطان کے پاس راہِ حق سے بہکانے اور دور کرنے کے ہزاروں حیلے ہیں۔

اللہ علیم وخبیر ہماری ہر حرکت کو دیکھتا رہتا ہے کہ اُس کا منتخب کیا ہوا بندہ اُس کی توفیق کا طلب گار رہتے ہوئے کیسے نفس و شیطان سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ ہمیں دین کے خلاف طاغوتی سازشوں کی مزاحمت میں ہمیشہ مستعد اور متحرک رہنا چاہیے اور کبھی بھی کم ہمت نہیں ہونا چاہیے۔

کسی بھی تحریک کی کامیابی اُس کے کارکنوں کے مسلسل متحرک رہنے پر ہی منحصر ہے۔ قائدینِ تحریک کی یہ ذمہ داری ہے کہ کارکنوں کے حوصلے بلند رکھنے اور مشن کے ساتھ ان کی وابستگی پختہ و مستحکم تر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ مختلف تربیتی نشستیں اور ورکشاپس اسی لیے منعقد کی جاتی ہیں کہ تحریکی سفر میں پیش آنے والے مختلف النوع مسائل اور ممکنہ رکاوٹوں سے اُنہیں آگاہ کرتے ہوئے ایسا لائحہ عمل دیا جائے جس پر گام زن رہ کر وہ بلا رکاوٹ منزل کی جانب بڑھتے رہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں ہم تحریکی سفر کے اِنہی تقاضوں کا ذکر کریں گے جن سے آگاہ ہوئے بغیر مطلوبہ اَہداف حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

ہماری یہ جد و جہد کسی دنیاوی جاہ و منصب کے حصول کے لیے نہیں بلکہ ہماری منزل مصطفوی اِنقلاب ہے۔ اس کے لیے ظاہری اور باطنی دونوں سطحوں پر پیدا ہونے

والے مغالطوں، رکاوٹوں اور مشکلات کے ادراک اور ان کے ساتھ کام یابی سے نبٹنے کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے یہ تحریری کاوش کارکنوں کے لیے ایک رہنما گائیڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یاد رکھیں! ظاہری کامیابی باطن کی اصلاح پر موقوف ہوتی ہے۔ شیخ و مرشد وہ روحانی مربی اور معالج ہوتے ہیں جن کے فیوضات سے ہمارے باطن کے اندھیرے کافور ہوتے ہیں اور ان کی جگہ نور کے اجالے من کے اندر پھوٹتے ہیں لیکن اکتسابِ فیض کے بارے میں لوگ عموماً دو مغالطوں کا شکار رہتے ہیں: ایک یہ کہ صاحبِ مزار ہوئے بغیر کسی زندہ نیک اور صالح شخص کو ولی ماننے اور جاننے میں ہمیشہ متردّد رہتے ہیں حالانکہ اللہ کی دوستی کے لیے اس دنیائے فانی سے کوچ کر جانا کوئی شرط نہیں ہے؛ اور دوسرا یہ کہ سنگت کے حوالے سے قرب و بعد کو ظاہری نزدیکی اور دوری کے پیمانے پر پرکھتے ہیں۔ حالانکہ قرب و بعد کا تعلق محبت کے پیمانے پر پرکھا جاتا ہے۔ جو جس قدر محبوب سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ اسی قدر اس کے قریب تر ہے جبکہ محبت کے بغیر انسان بظاہر قریب ہو کر بھی بعد کے مقام پر ہوتا ہے۔ یہ محبت ہی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے حالانکہ مخلوق اور خالق کے درمیان بظاہر مسافت کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات جو انسانی فہم و ادراک سے بھی بالا ہے اور کہاں حقیر بے حیثیت بندۂ خاکی۔ حق یہ ہے کہ محبت اور اطاعت کا ہونا یا نہ ہونا ہی قرب و بعد کا صحیح پیمانہ ہے۔

اگر یہ دونوں باتیں سمجھ میں آ جائیں تو تحریکی زندگی - جو سراسر جدوجہد سے عبارت ہے - بہت آسان ہو جاتی ہے۔ ہمیں ہر لمحہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ مالک حقیقی نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری جیسا مردِ صالح ہمارے زمانے میں پیدا فرمایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں ان کی سنگت بھی عطا فرمائی۔ اب اگر قائد تحریک قریب ہو یا دور، اُن کا قرب ظاہری طور پر میسر ہو یا نہ ہو، اگر تحریک کے رفقاء و اراکین اور وابستگان اپنے قائد کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں اور اطاعت گزاری کا جذبہ بھی مکمل طور پر کارفرما ہے تو پھر دور و نزدیک کے تمام مغالطے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

راہِ تصوف میں معرفتِ الٰہی کے دو معروف طریق ہیں: ایک طریقِ ولایت ہے اور دوسرا طریق نبوت ہے۔ طریقِ ولایت میں سالک اور مرید یعنی کارکن اپنے شیخ و مرشد یعنی لیڈر و قائد سے تربیت پا کر اپنے سلسلۂ تصوف و سلوک کے سرپرست ولی اللہ کے واسطے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرتا ہے۔ گویا اس طریق میں اس سلسلے کے بانی کا واسطہ حائل ہے اور اس کے وسیلہ سے ہی اس کے لیے معرفت الٰہی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ معرفت الٰہی کے دوسرے طریق یعنی طریقِ نبوت میں مرشد کامل کی تعلیم و تربیت اور ہدایت و رہنمائی کے ذریعے براہِ راست بارگاہِ نبوی سے سالک و مرید یعنی کارکن کو منتخب کر لیا جاتا ہے اور وہاں سے براہِ راست اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ فیوضات کا ایک بلاواسطہ تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ بے شک جس بھی سلسلے سے اس کا تعلق ہے اس سلسلے کے جمیع اولیاء اللہ اور بانی اولیاء اللہ کے فیوضات اس کی شخصیت سازی میں شامل ہوتے ہیں لیکن وہ براہِ راست آقا ﷺ کی بارگاہ سے منسلک اور متعلق ہو جاتا ہے۔ کئی شخصیات ایسی ہو گزری ہیں جن میں یہ دونوں طریق جمع تھے، جن میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کی توجہات سے تحریک منہاج القرآن میں بھی یہ دونوں طریق جمع ہیں۔

تحریک منہاج القرآن درحقیقت احیاے دین کی عملی جدوجہد سے عبارت ہے۔ اس پر حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی نظر کرم ہے، حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین رضی اللہ عنہ اس کے روحانی سرپرست ہیں اور حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس کے قائد ہیں۔ تحریک منہاج القرآن ان ہستیوں کی توجہات اور ان دونوں طریق کے فیوضات کی امین ہے اور ہمارے قائد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری میں اللہ نے یہ دونوں طریق جمع فرمائے ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری وہ قائد ہیں جو جمیع سلاسل کے اولیاء اللہ

اور پھر ائمہ علم وفن اور ائمہ حدیث کے فیوضات کے امین ہو کر اس قافلے کو لیے جانبِ منزل رواں دواں ہیں۔ ان معنوں میں تحریک کے کارکن بمنزلہ مرید کے ہیں اور قائد ان کے لئے بمنزلہ شیخ کے ہیں۔

منزل کے حصول کے لیے کارکنوں کا تحریک اور قائدِ تحریک سے تعلق کیسا ہونا چاہیے اور اس کے کیا تقاضے ہیں؟ ہم مختلف جہتوں سے مثالوں کے ذریعے ان اجتماعی تحریکی تقاضوں پر روشنی ڈالیں گے جن پر عمل پیرا ہو کر تحریک کا ہر فرد کامل یکسوئی اور عزم کے ساتھ انقلاب کے اِس سفر کے اہداف حاصل کرسکتا ہے جس کے حق ہونے پر کوئی شبہ نہیں۔ سورۃ الکہف میں واقعہ خضر علیہ السلام سے متعلق مختلف آیاتِ مقدسہ سے اِستنباط کرتے ہوئے اس تحریر کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتداءً باطنی اِصلاح کے لیے اِکتسابِ فیض کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ عرفاء نے حصولِ فیض کے سلسلے میں مختلف آدابِ صحبت کا ذکر کیا ہے جنہیں بجا لا کر مرشد و شیخ سے کما حقہٗ اِکتسابِ فیض کیا جا سکتا ہے۔ ہم سورۃ الکہف میں بیان کیے گئے واقعہ خضر علیہ السلام کے حوالے سے فیض کی ان مختلف اقسام اور ان کے حصول کے ساتھ تحریک کے کارکنوں کو اس عظیم نعمت کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتے ہیں جس کا بروقت اِدراک تحریک کی کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ یہ نعمت قدرت نے شیخ الاسلام کی شکل میں ہمیں عطا کی ہے۔

جب ہم اولیاء اللہ کی محبت، معرفت اور اُن کی اِتباع کی بات کرتے ہیں تو یہ مستحضر رہنا چاہیے کہ یہ نسبت عملی جد و جہد سے مزین ہونی چاہیے۔ اس کے نتیجے میں اس راہ کے مسافر کو عطا ہونے والے فیض کی تین اقسام ہیں:

ا۔ حصولِ برکات وجلاء القلوب

یہ فیض کی پہلی قسم ہے۔ نبی یا ولی کی ذات کی برکات اَنوار کی طرح برستی رہتی ہیں۔ چنانچہ جو بھی کمال محبت سے ان کے قرب میں رہتے ہیں وہ ان انوار سے مستفیض

ہوتے رہتے ہیں۔ مردہ دلوں کو زندگی بھی اِنہی برکات کے باعث حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثریت کا مطمع نظر اور مقصد بس برکات کا حصول ہی ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے دنیوی مسائل و حاجات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ یوں فیض و برکت کی اِس نعمت کو محض دنیا حاصل کرنے میں صرف کر دیتے ہیں حالانکہ جس کام کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ توفیق بخشی ہے وہ اِس اَمر کی متقاضی ہے کہ فیض کے اگلے مرحلے یعنی تربیت کی جانب عملی طور پر کوشاں ہوں۔ حصولِ برکت کے لیے اَہل اللہ کے مزارات پر حاضری اور ولیِ کامل کی ظاہری صحبت یکساں طور پر فیض رسانی کا ذریعہ ہیں۔

فیض کی یہ قسم نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا ذکر سورۃ الکہف میں اس مقام پر ملتا ہے جہاں تلی ہوئی مچھلی زندہ ہوگئی تھی، یہ وہ مقام تھا جسے حضرت خضر علیہ السلام سے نسبت تھی۔ قرآن حکیم اس واقعہ کا ذکر یوں کرتا ہے:

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰـهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا٘ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ٘ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ٘ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ٘ عَجَبًا○ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○ (1)

پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے (تو) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا کھانا ہمارے پاس لاؤ بے شک ہم نے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا کیا ہے○ (خادم نے) کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں (وہاں) مچھلی بھول گیا تھا، اور مجھے یہ کسی نے نہیں بھلایا سوائے شیطان کے کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں، اور اس (مچھلی) نے تو (زندہ ہوکر) دریا میں عجیب طریقہ سے اپنا راستہ بنا لیا تھا (اور وہ غائب

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۲-۶۴

ہوگئی تھی)o موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: یہی وہ (مقام) ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے، پس دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر (وہی راستہ) تلاش کرتے ہوئے (اسی مقام پر) واپس پلٹ آئےo

ولیِ کامل کی ذات اس قدر برکات و انوار کی حامل ہوتی ہے کہ اس سے موت حیات میں بدل جاتی ہے، مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔ اَہل اللہ کی ان برکات کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور بعداز وصال اُن کے مزارات اِس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ اَنوار کے وہ منبع ہیں جہاں سے مخلوقِ خدا فیض حاصل کرتی ہے۔

۲۔ حصولِ تربیت

فیض کی دوسری قسم تربیت ہے۔ یہ صحبت کے آداب میں سے ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت، خشیت اور اطاعت کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع، پیروی اور غلامی سے انسان روحانی ارتقاء حاصل کرتا ہے۔ تصوف کی ساری عمارت تربیت پر استوار ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے پانچ فیصد سے بھی کم لوگ تصوف کو اِس نیت سے اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.(۱)

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور اُسوۂ مبارکہ کی پیروی سے ہی مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اتباع رسول ﷺ درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی

(۱) آل عمران، ۳: ۳۱

معیت وصحبت کا باعث ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبت حاصل کرنے کے لیے شیخِ کامل کی محبت اور پیروی ضروری ہے لیکن محض مرشد کی تعریف وتوصیف کر دینے سے مرشد کے فیض کا امین نہیں بنا جا سکتا، اس کے لیے اس امانت کا اَہل ہونا ضروری ہے۔ بادی النظر میں لاکھوں لوگ حصولِ فیض کے لیے اولیاء کی صحبت اختیار کرتے ہیں، لیکن کیا وجہ ہے کہ اُمت کا حال دگرگوں ہے؟ اَخلاق، کردار، طہارت، نیکی، معرفت، روحانیت سب کچھ مفقود ہے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ تربیت کو کوئی ضروری نہیں سمجھتا اور تربیت چند ضروری شرائط کی متقاضی ہے۔ جب تک انہیں ملحوظ نہ رکھا جائے شیخِ کامل کی صحبت سے مطلوبہ نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔ وہ شرائط حسب ذیل ہیں:

(ا) اِستقامت

جد و جہد میں اِستقامت شرطِ اَوّل ہے۔ اِستقامت کے بغیر اُس روحانی سفر کی کٹھن راہ کا خیال کرنا بھی محال ہے جہاں قدم قدم پر نفس اور شیطان اپنے لاؤلشکر کے ساتھ طالب پر حملہ کرنے کے لیے مورچہ زن ہوں۔

شیخ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ استقامت ایسا درجہ ہے جس سے امور تکمیل پذیر ہوتے ہیں، اسی کے باعث تمام نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور ان کا نظام قائم رہتا ہے۔ جو شخص اپنی حالت پر استقامت نہیں رکھے گا اس کی کوشش ضائع اور اس کی سعی ناکام رہے گی۔ بلاشبہ اِستقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ استقامت تقاضا کرتی ہے کہ معاملات میں سستی پیدا نہ ہو اور ایک ہی مقام پر نہ ٹھہرے رہیں بلکہ بہتر سے بہترین کی تلاش رہے۔ عرفاء نے یہ نقطہ واقعہ خضر علیہ السلام سے اخذ کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی اور خادم سے فرماتے ہیں کہ جب تک وہ مطلوبہ مقام کو پا نہیں لیتے وہ تلاشِ خضر میں اپنا سفر جاری رکھیں گے۔ قرآن حکیم اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰـهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ

حُقُبًا ○[1]

اور (وہ واقعہ بھی یاد کیجیے) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے (جواں سال ساتھی اور) خادم (یوشع بن نون علیہ السلام) سے کہا: میں (پیچھے) نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ جاؤں یا مدتوں چلتا رہوں ○

یہاں تربیت کا ایک اہم نقطہ پنہاں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ منزل کے حصول تک چلتا رہوں گا۔ یہی اُصول سالک پر لاگو ہوتا ہے۔ جب وہ اولیاء اللہ کی سنگت اور صحبت میں حصولِ معرفت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی جدوجہد حصولِ مراد تک جاری رکھنی چاہیے اور اُسے یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ منزل کا حصول قائد کی صحبت سے مشروط ہے۔

(۲) غیر متعلقہ سوال کی ممانعت

تربیت کی دوسری شرط یہ ہے کہ بے جا سوالات کو دل میں جگہ نہ دی جائے، اس سے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں اور قلب مردہ ہو جاتا ہے۔ ان کا قلع قمع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ساری توجہ شیخ و مرشد کے ارشادات پر رہے۔ یہ نقطہ بھی عرفاء نے واقعہ خضر علیہ السلام سے اَخذ کیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو پا لیا تو آپ نے علم لدنی کے لیے ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○[2]

پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں یہاں

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۰

(۲) الکہف، ۱۸: ۷۰

تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کر دوں٥

حضرت ذوالنون مصریؒ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنی زبان پر سب سے زیادہ قابو پانے والا ہے۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ خاموشی بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے، اسی میں سلامتی ہے۔

(۳) شکستگیِ قلب

یہ تربیت کی تیسری قسم ہے۔ جو قلب جس قدر شکستہ ہو، اُس پر اُسی قدر انوارِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے قلوب ہی مساکنِ خداوندی ہیں۔ شکستہ دلوں میں ہی وفا کے موتی پنہاں ہوتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی میں شگاف ڈالنے کے عمل سے عرفاء نے سالکوں کی تربیت کا یہ نکتہ اخذ کیا ہے۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے:

فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا٥[1]

پس دونوں چل دیے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے (تو خضر علیہ السلام نے) اس (کشتی) میں شگاف کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا آپ نے اسے اس لیے (شگاف کرکے) پھاڑ ڈالا ہے کہ آپ کشتی والوں کو غرق کر دیں؟ بے شک آپ نے بڑی عجیب بات کی٥

جب تک قلب کو شکستہ نہ کیا جائے اس کا غاصب شیطان سے بچنا محال ہے۔ مضبوط کشتی سے مراد انسان کا جسم ہے جو رغبت و شہوتِ دنیا کا اسیر اور حریص ہے۔ بادشاہ

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۱

سے مراد شیطان ہے جسے ایسا جسم نظر آئے تو اسے اپنا مرید بنا لیتا ہے جبکہ شیخ کی صحبت سے طالب کا دل شکستہ اور خستہ ہو کر رحمٰن کا پسندیدہ ہو جاتا ہے اور شیطان ایسے دل کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ حضرت علامہ محمد اقبال نے اسی حقیقت کا اظہار اپنے ایک شعر میں یوں کیا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

(۴) نفسِ اَمارہ کا قتل

نفسِ اَمارہ ہمیشہ انسان کو برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے حملے شیطان کے حملوں سے کہیں شدید ہیں۔ جب نفس کسی برے ارادے پر آمادہ ہو جائے تو طالب لاکھ جتن کر لے یہ باز نہیں آتا اِلا یہ کہ توفیقِ ایزدی بندے کے شاملِ حال ہو جائے۔ چنانچہ اس کے حملوں سے ہر لمحہ خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا بچے کو قتل کرنے سے عرفاء نے نفس کو کچلنے سے تعبیر کیا ہے۔ پس نفس کو کچلنے کا کامیاب طریقہ یہی ہے کہ ہر لمحے نفس اور اس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے۔ یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی بندگی کا بہترین طریقہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَانْطَلَقَا قفہ حَتّٰی اِذَا لَقِيَا غُلٰـمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ○(۱)

پھر وہ دونوں چل دیے یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر علیہ السلام نے) اسے قتل کر ڈالا موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا آپ نے بے گناہ جان کو بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے قتل کر دیا ہے؟ بے شک آپ نے بڑا ہی سخت کام کیا ہے ○

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۴

وہ بچہ دراصل انسان کا اپنا نفسِ اَمارہ ہے جو انسان کو ہر وقت برائی کی طرف راغب کرتا ہے اور بچے کے والدین سے مراد انسان کا قلب اور روح ہیں۔ شیخِ کامل طالب کے نفسِ اَمارہ کو کچل کے اس کی اصلاح کرتے ہوئے اسے نفسِ مطمئنہ کے مقام تک لے جاتا ہے تاکہ اس کا قلب اور روح اللہ تعالی کی کرم نوازیوں کا محل بن جائیں۔

(۵) عجب و ریا سے پرہیز

جب شیخ اپنے طالب کو تربیت کے سفر پر لے کر چلتا ہے تو مرید کو خود اس کی ذات کے مراتب دیکھنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب مرید و سالک روحانی طور پر بالغ ہو جائے گا تو اِن اَسرار و رُموز سے متعارف ہو جائے گا کیونکہ جب تک وہ روحانی طور پر بالغ نہیں ہو جاتا ان کا اِظہار ان کے لیے عجب، تکرار اور ریا کا باعث بن سکتا ہے۔ واقعہ خضر علیہ السلام میں اس کا ذکر اُس مقام پر ملتا ہے جہاں ایک گرتی ہوئی دیوار کو تعمیر کر دیا گیا تاکہ وہ خزانہ جو قبل اَز وقت ظاہر ہونے والا تھا، مناسب وقت تک مخفی رہے۔ قرآن حکیم اس کا ذکر یوں کرتا ہے:

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ (۱)

پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی والوں کے پاس آ پہنچے، دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا، پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو (خضر علیہ السلام نے) اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس (تعمیر) پر مزدوری لے لیتے ○

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۷

یہی وجہ ہے کہ طالب اگرچہ مراتبِ ولایت کا حامل ہو بھی جائے تو اسے طویل عرصے تک خبر نہیں دی جاتی کہ کہیں ولایت کی خوشی میں خوفِ الٰہی سے ہی بے خوف نہ ہو جائے۔

۳۔ مقامِ مشاہدہ

فیض کی تیسری قسم مشاہدہ کرنا اور رازوں سے پردہ اٹھانا ہے۔ وہ سالک جو حصولِ فیض کے پہلے دونوں مرحلے کامیابی سے طے کر لیتا ہے اس کے لیے رازوں سے پردے اٹھا کر اسے مشاہدہ کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ فی الواقعہ اس روحانی ارتقاء کے حاملین خال خال ہی ہوتے ہیں جو تربیت مکمل کرکے شیخ کی اس حقیقی توجہ کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

یہ امر یاد رہے کہ فیض کی تینوں اقسام جن کا ذکر ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ان کا حصول مشترکہ طور پر شیخِ کامل کی ظاہری حیات میں ہی ممکن ہے۔ شیخ کے وصال کے بعد فیض کی صرف پہلی قسم ہی میسر رہتی ہے۔ تاہم خواص کا معاملہ جدا ہے، ان کے لیے فیض کی تینوں اَقسام کے حصول میں ظاہری حیات کی کوئی شرط نہیں۔

۴۔ اِنکشافِ حقیقت

فیض کی اِس قسم کا ذکر واقعہ خضر علیہ السلام کے آخر میں اس مقام پر ملتا ہے جہاں حضرت خضر علیہ السلام کی زبانی اُن تمام واقعات کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ طالبِ صادق جب تربیت کے تمام مراحل کامیابی سے طے کرلے تب شیخِ کامل اسے مقامِ مشاہدہ کی خبر دیتا ہے۔ پھر وہ اللہ تبارک و تعالی کی جانب سے حسبِ توفیق اَسرار و رُموز سے آگاہ کر دیا جاتا ہے، اُمورِ غیبیہ کے مشاہدے سے ہر قسم کا شک رفع ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ یقین لے لیتا ہے لیکن اس مقام کے حاملین اِنتہائی قلیل ہوتے ہیں۔ عرفاء سے منقول ہے کہ

انکشافِ حقیقت عموماً تین اقسام پر مبنی ہوتا ہے:

۱۔ غیبی خبریں اس پر منکشف ہوتی ہیں۔

۲۔ حسبِ توفیق قدرتِ خداوندی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ قلب پر حقائقِ ایمان کا مکاشفہ ہوتا ہے۔

اب تک ہم نے تربیت کے حوالے سے واقعہ خضر علیہ السلام کی عرفانی تعبیرات بیان کیں۔ آئندہ صفحات میں اب ہم اِسی واقعہ خضر علیہ السلام سے اِستنباط کرتے ہوئے ایک نئی جہت سے تربیت کا منہج بیان کریں گے اور روز مرہ زندگی کی مثال سے تحریکی جد و جہد کے تقاضے بیان کریں گے۔ پھر تنظیمی اُمور میں درپیش مسائل کے حل میں باہمی تعاون کی ناگزیریت پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

باری تعالیٰ کما حقہ، ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اس پر اِستقامت عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

باب اَوّل

تحریکی زندگی کا مقصد اور لائحہ عمل

اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ کسی بھی معاملے یا بات کو واضح کرنے کے لیے چھوٹی سے چھوٹی چیز کی مثال بھی بیان فرما دیتا ہے تا کہ ہر سطح کے ذہن میں مفہوم راسخ ہو کر وحی کا مدعا پورا ہو جائے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے مکھی اور مچھر تک کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا. (۱)

بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ (سمجھانے کے لیے) کوئی بھی مثال بیان فرمائے (خواہ) مچھر کی ہو یا (ایسی چیز کی جو حقارت میں) اس سے بھی بڑھ کر ہو۔

اِسی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہم زیرِ نظر باب میں ایک مثال کے ذریعے سفرِ اِنقلاب سمجھنے کی کوشش کریں گے جو ہر روز ہماری نگاہوں میں رہتی ہے۔ اسے ہم استعمال بھی کرتے ہیں اور اس سے زندگی کے سفر اور اس کے تسلسل کو بھی قائم رکھتے ہیں۔ یہ ہماری زندگی کا اہم حصہ ہے لیکن اِس پر ہم نے کبھی اُس طرح غور نہیں کیا جس طرح کہ ہمیں کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت قران مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عقل و حکمت والوں کے لیے میں نے تخلیق میں نشانیاں رکھی ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ (۲)

---

(۱) البقرة، ۲:۲۶

(۲) آل عمران، ۳:۱۹۰

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیںo

دیگر کئی مقامات پر اللہ رب العزت اپنی تخلیق اور قدرت کے حوالے سے نشانیوں کا تذکرہ فرما کر ہمارے اَذہان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں تاکہ ہم ان نشانیوں اور تخلیقات پر غور کرکے اپنی زندگی کے مقصد اور راستے کا تعین کر سکیں۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۴ میں فرمایا:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَo

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقل مندوں کے لیے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیںo

اسی طرح سورۃ الجاثیہ کی آیت نمبر ۵ میں فرمایا گیا:

وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِهِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَo

اور رات دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور (بصورتِ بارش) اُس رِزق میں جسے اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس سے زمین کو اُس کی مُردنی کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور (اسی طرح) ہواؤں کے رُخ پھیرنے میں، اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل و شعور رکھتے ہیںo

ہم اپنی بحث کو جدید دور کی ایک تخلیق ریل گاڑی (train) کی مثال سے مزین کریں گے۔ ریل گاڑی (train) ایسا ذریعہ ہے جس پر ہمارے مواصلاتی نظام کا بہت زیادہ انحصار ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ہر ٹرین کے لیے ایک اسٹیشن ہوتا ہے جو ریلوے اسٹیشن کہلاتا ہے۔ وہاں ایک پلیٹ فارم ہوتا ہے جہاں آ کر ٹرین رکتی ہے۔ اگر بڑا ریلوے اسٹیشن ہو تو کئی پلیٹ فارم ہوتے ہیں، جہاں سے مختلف اَطراف سے ریل گاڑیاں آتی ہیں اور مختلف سمتوں میں روانہ ہوتی ہیں۔ جیسے لاہور کا ریلوے اسٹیشن کافی بڑا ہے جہاں کئی پلیٹ فارمز ہیں۔ ایک پلیٹ فارم سے کوئی ٹرین مشرق کی طرف روانہ ہوتی ہے تو دوسرے پلیٹ فارم سے ٹرین مغرب کی طرف جاتی ہے۔ غرضیکہ مختلف گاڑیاں مختلف منازل کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ کوئی ٹرین اپنے سفر کی منزل کراچی کو سامنے رکھ کر طے کرتی ہے تو کوئی ٹرین ملتان کی طرف رواں دواں ہے۔ کسی ٹرین کی منزل کوئٹہ ہوتی ہے تو کسی ٹرین کی منزل فیصل آباد ہوتی ہے۔ کسی ٹرین کی منزل پشاور ہوتی ہے۔ الغرض کئی پلیٹ فارم ایک سٹیشن پر ہوا کرتے ہیں اور پلیٹ فارم سے چلنے والی ہر ٹرین کی سمت (direction) اور منزل جدا جدا ہوتی ہے۔ اب اگر ہم ریلوے اسٹیشن کے نظام اور ٹرین اور پلیٹ فارم کی مثالوں پر غور کریں تو ہم اپنے حالات کو سمجھنے اور خصوصاً تحریکی زندگی میں اپنی راہ کے تعین اور اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھنے کے لیے بہترین سبق حاصل کر سکتے ہیں اور ہمیں اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور نبھانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ trains کیا ہیں اور مسافر کون ہیں؟ اس پر غور کرنے سے تمثیل کا اطلاق بھی واضح ہوتا

جائے گا۔ Trains دراصل جماعتیں، تنظیمات اور کام کرنے والے گروہ ہیں جو مسافروں یعنی لوگوں کو مختلف سمتوں اور مختلف منزلوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن ہماری زندگی کا وہ پلیٹ فارم ہے جس پر ہر شخص پیدا ہو کر آتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔

ا۔ ریل گاڑیاں اور مسافروں کی اَقسام

ریلوے اسٹیشن پر تین قسم کے مسافر ہوا کرتے ہیں: ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو چلنے سے پہلے اپنا ہوم ورک کر کے آتا ہے کہ اس کی منزل کیا ہے اور اس منزل کو پانے کے لیے اس نے کون سا route اختیار کرنا ہے۔ کس راستے پر جانے والی اور کس نوعیت کی ٹرین میں بیٹھنا ہے۔ اندرونِ ملک جانے کے لیے کئی طرح کی ریل گاڑیاں ہوتی ہیں، کچھ آہستہ سفر کرتی ہیں، وہ passenger trains کہلاتی ہیں جب کہ کچھ ٹرینز fast یا ultra fast ہوتی ہیں جو پانچ سات گھنٹے کا سفر بہت تیزی سے فقط دو اڑھائی گھنٹے میں طے کروا دیتی ہے۔ یہ express trains یا non-stop trains کہلاتی ہیں۔ کچھ luxury trains بھی ہوتی ہے جن کے ذریعے سفر تیزی سے بھی طے ہوتا ہے اور بہت زیادہ آرام دہ بھی ہوتا ہے۔ اب مسافروں کے احوال پر غور کریں: ایک اسٹیشن پر تین قسم کے مسافر پائے جاتے ہیں: ایک جنہیں اپنی منزل کی خبر ہے اور اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی معلوم ہے۔ وہ منزل پر پہنچنے کے تمام طریقہ ہائے کار اور ضروریاتِ سفر سے باخبر ہوتے ہیں اور اپنے سفر کے بنیادی لوازمات پورے کرتے ہیں، مثلاً ٹکٹ خرید لیتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں ساتھ رکھ لیتے ہیں، جس منزل اور راستے کی انہیں خبر ہوتی ہے اس کی جانب چلنے والی ٹرین پر سوار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ وہ طبقہ ہے جس پر اللہ کا انعام ہوتا ہے، انہیں نہ صرف اپنی منزل کی خبر ہوتی ہے بلکہ اپنے راستے کا بھی شعور ہوتا ہے۔

مسافروں کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جنہیں منزل کی تو خبر ہے مگر راستے کی خبر

نہیں ہوتی کہ کون سا route بہتر اور سیدھا ہے جس پر چل کر جلد منزل کو پا سکتے ہیں۔ حتی کہ انہیں یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ کون سی ٹرین انہیں اپنی منزل تک لے جائے گی۔ پشاور لے جانے والی ٹرین پر سوار ہوئے تو وہ منزل تک لے جائے گی یا کوئٹہ یا پھر کسی دوسرے شہر کو جانے والی ٹرین انہیں منزل تک لے جائے گی۔ یعنی انہیں route کی بھی خبر نہیں، بس منزل کا پتہ ہوتا ہے۔ اس دوسرے طبقے کو یقیناً دشواری ہوتی ہے مگر وہ اسٹیشن پر موجود دوسرے مسافروں سے یا معلوماتی کاؤنٹر سے معلوم کرتے ہیں کہ ہماری یہ منزل ہے، ہمیں کون سے راستے پر جانے والی ٹرین پر سوار ہونا چاہیے۔ تو دوسرا طبقہ وہ ہے جسے اللہ نے منزل کی خبر دی ہے اور پوری سوجھ بوجھ سے نوازا کہ وہ کسی سمجھ دار شخص سے معلوم کر لیتے ہیں اور صحیح سمت میں جانے والی ٹرین پر سوار ہو جاتے ہیں۔

اب ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جنہیں منزل کی خبر ہے نہ راستے کا پتہ۔ وہ دنیا میں پیدا تو ہوتے ہیں مگر بھٹکتے رہتے ہیں اور ہمیشہ confuse رہتے ہیں کہ ان کے جینے کا مقصد اور ان کی منزل کیا ہے؟ ان کی پہچان کیا ہے؟ انہوں نے زندہ رہ کر کرنا کیا ہے؟ انہوں نے دین دار بننا ہے یا دنیا دار بننا ہے؟ ان کی منزل واشنگٹن ہے یا مدینہ اور تاجدارِ مدینہ ﷺ؟ ان کا route مغربی تعلیمات ہیں یا اسلامی تعلیمات؟ اس تیسرے طبقے کو اِن سوالات کا ادراک ہوتا ہے نہ ان کے جوابات کی خبر۔ چنانچہ وہ یوں ہی بھٹکتے پھرتے ہیں۔ مگر وہ پیدا ہو کر زندگی کے اس ریلوے اسٹیشن پر آ جاتے ہیں۔ یہ وہ اہم مقام ہے جہاں ان کی مدد کرنا تحریک منہاج القرآن کے ہر ہر کارکن اور قائد کی ذمہ داری ہے۔ اس زندگی کے پلیٹ فارم پر بھٹکتے ہوئے لوگوں کو منزل کی خبر دینا اور ان کے لئے صحیح راستے کا تعین کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ شریک سفر کرنا تحریک منہاج القرآن کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے صدائے انقلاب بلند کی، 'تحریک منہاج القرآن' اور 'اللہ' اور اس کے 'رسول ﷺ' کے نام کا نعرہ لگایا، 'فلسفہ انقلاب'

بتایا۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اللہ کے انعام یافتہ بندوں کو اس عظیم منزل کی خبر ہوگئی اور راستے کا پتہ بھی چل گیا۔ سو وہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے ہم سفر بن کر اس ٹرین پر۔ جس کا نام تحریک منہاج القرآن ہے۔ سوار ہو کر منزل کی طرف چل پڑے۔

اس ٹرین پر ایک ایسا طبقہ بھی آپ کا ہم سفر ہے جس تک آپ براہ راست نہیں پہنچتے۔ اس عدم رسائی کی متعدد وجوہات ہیں۔ ان تک تحریک منہاج القرآن کی آواز اور اس کا فلسفہ انقلاب کیسٹ یا CD کے ذریعے پہنچتا ہے۔ ان تک حضرت شیخ الاسلام کی فکر میڈیا کے ذریعے پہنچتی ہے اور وہ خود پوچھتے پوچھتے آپ تک آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ شریکِ سفر کرلو۔ یوں تحریک منہاج القرآن کی ٹرین پر وہ آپ کے ہم سفر ہو جاتے ہیں۔ اس میں ہمارا اور آپ کا کوئی کمال نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ پر کرم فرمایا اور آپ کو منزل کی خبر بھی ملی اور راستے کی خبر بھی ملی؛ اُسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے طبقے کی دست گیری فرماتے ہوئے سفر انقلاب کی جد و جہد میں اُنہیں آپ کا ساتھی اور رفیق بنا دیا۔ اور یہ لوگ شریکِ سفر ہو کر شیخ الاسلام کی قیادت میں انقلاب کے عظیم سفر پر چل پڑے۔ یہی تیسرا طبقہ درحقیقت وہ طبقہ ہے جس پر آپ نے اور ہم سب نے مل کر کام کرنا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جنہیں منزل کی خبر ہے اور نہ راستے کا پتہ ہے۔ ان تک خبر کو پہنچانا ہے، انہیں منزل کا شعور دینا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس حقیقی منزل کا حصول نہ مغربی اَفکار و تعلیمات میں ہے اور نہ آج کے فرسودہ نظامِ سیاست اور اس کے نتیجہ میں پروان چڑھنے والے بدعنوان و بدکردار غاصب حکمرانوں کے ذریعے ممکن ہے کیوں کہ ان کا مطمع نظر سوائے لوٹ کھسوٹ اور ظلم و جبر کے کچھ نہیں، یہ سب شیطان کے نمائندے ہیں جبکہ ہماری منزل صرف اور صرف گنبد خضریٰ ہے۔ آج کے پُرفتن دور میں تحریک منہاج القرآن ہی وہ ٹرین ہے جو شیخ الاسلام کی قیادت میں صحیح راستے پر گنبد خضریٰ کی طرف رواں دواں ہے۔

۲۔ داعی پر اِعتماد کی بنیادیں

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن بھٹکتے مسافروں کو آپ صحیح راستے اور منزل کی خبر دیں تو وہ آپ کے ساتھ کیوں چلیں اور آپ پر کیوں اعتماد کریں جب کہ اسٹیشن پر تو دیگر جماعتوں کے نمائندگان بھی موجود ہیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی ریل گاڑی کی مارکیٹنگ کرتا ہے اور اُسے بہترین قرار دیتے ہوئے دعوت دیتا ہے کہ میری ٹرین پر سوار ہو جاؤ، یہ تمہیں جلد درست منزل کی طرف لے جائے گی۔ دوسری طرف یہاں دنیا اور شیطان کے نمائندے بھی موجود ہیں جو انتہائی عیاری اور مکاری سے سادہ لوح اور بے خبر لوگوں کو منزل سے گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔ یاد رکھیں! جب کسی تیز رفتار انجن کی brakes کام کرنا چھوڑ دیں اور اس ٹرین کو روکنے کی تمام تدابیر ناکام ہو جائیں تو پھر اسے ایسے ریلوے ٹریک پر ڈال دیا جاتا ہے جو آگے سے بند ہوتا ہے تاکہ بالآخر اس سے ٹکرا کر رک جائے۔ اس کا اپنا حشر جو ہوسو ہو کم اَز کم باقی گاڑیاں تو اس کے ٹکرا جانے کے حادثے سے محفوظ رہیں۔ ایسے ٹریک کو deadline کہتے ہیں۔ چنانچہ عیار لوگ سادہ لوح لوگوں کو اپنی چرب زبانی سے اپنی اُس ٹرین پر سوار ہونے کی دعوت دیتے ہیں جو ایسی deadline پر چل رہی ہے جس کے لئے تباہی و بربادی مقدر کر دی گئی ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے ساتھ کیوں چلے؟ کوئی بھٹکتا ہوا شخص آپ کی ٹرین پر کیوں سوار ہو؟ اسے اپنی طرف بلانے اور ترغیب دینے کے لیے ہمارے اندر کچھ صلاحیتیں درکار ہیں تاکہ جس کو پیغام دیا جا رہا ہے اس کا دل چاہے کہ وہ ہم پر اعتماد کر لے اور ہمارے ساتھ شریکِ سفر ہو جائے۔ اس کے لیے درج ذیل خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے:

(۱) کردار کی عمدگی

سب سے پہلی چیز دعوت دینے والے کی اپنی شخصیت و کردار کی عمدگی ہے کہ وہ کیسے دعوت دیتا ہے؛ اس کا عمل کیسا ہے کہ سننے والا اس کی زبان پر اعتماد کرے۔ اگر وہ

دنیا دار معلوم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹرین ہماری دین کے سفر پر جاتی ہے تو کوئی کیا اعتبار کرے گا! کوئی ہمارے کردار کے اندر جھانک کر دیکھے اور وہ اسے پراگندہ معلوم ہو تو وہ کیوں کر ہماری زبان پر اعتماد کرے گا؟ اور اگر کوئی ہماری چلتی ہوئی ٹرین میں جھانک کر دیکھے اور وہاں ایک ہی منزل کے مسافر اسے آپس میں لڑتے ہوئے نظر آئیں تو وہ کیوں اس ٹرین میں سوار ہوگا؟ وہ سوچے گا کہ اس ٹرین پر سوار لوگ تو خود ایک دوسرے کی جان کے درپے معلوم ہوتے ہیں، یہ اُسے کیسے بہ حفاظت منزل تک پہنچائیں گے؟ سارا معاملہ صرف کردار کی عمدگی اور اپنی دعوت پیش کرنے کے طریقہ کار کا ہے ۔جب دعوت دیں تو وہ کامل دعوت آپ کے لہو میں سرایت کر چکی ہو، اگر دعوت آپ کی شخصیت کا حصہ بن چکی ہو تو پھر وہ دعوت اثر رکھتی ہے اور دیکھنے والا یہ کہے کہ ہاں واقعتاً ایسے ہی سچے اور وفا شعار راہ حق کے مسافر ہوتے ہیں۔لیکن اگر ہماری طبیعتوں میں مفاد پرستی کارفرما ہو، دنیا کا لالچ ہو اور زر کی بھوک ہو تو دیکھنے والا ضرور سوچے گا کہ یہ تاجدارِ مدینہ ﷺ کی چوکھٹ تک کیسے لے جائیں گے؟ انہیں تو خود بھی حق تک حقیقی رسائی میسر نہیں ہے، رسائی ہوتی تو یوں حصولِ دنیا میں غرق نہ ہوتے۔ لہٰذا ایک کارکن ہونے کی حیثیت سے ہم میں سے ہر شخص اپنے حال کو دیکھے کہ وہ دعوت کے معیار پر کس حد تک پورا اترتا ہے۔ اگر ہم سب لوگ دین کے داعی ہیں تو ہمیں دعوت دینے کے طریقہ کار سے شناسائی ہونی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین سے لوگوں کو متعارف کرانے والے داعی کی کام یابی اس کے ظاہر اور باطن کے ایک ہونے سے مشروط ہے۔ داعی کی نیت، ارادے اور باطنی کیفیت کا اس کے عمل کے ذریعے کامل اظہار ہونا چاہیے۔ اسے کردار کی عمدگی اور محاسنِ اخلاق سے مزین ہونا چاہیے، ظاہر و باطن میں یکسانیت اور یک رنگی ہونی چاہیے تاکہ زبان اور دعوت میں تاثیر پیدا ہو اور بھٹکتے ہوئے مسافر آپ کی ٹرین پر سوار ہونے کے لیے فوراً تیار ہو جائیں۔

(۲) شعورِ منزل

اب دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ اب سمت کی بات ہے۔کوئی ٹرین اِس سمت جاتی ہے اور کوئی اُس سمت جاتی ہے لیکن جو مسافر اس دنیا کے اسٹیشن پر آتا ہے اس مسافر کی حقیقی منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مسافر پہلے کوئٹہ کی طرف چلے اور پھر راستے میں اتر کر پشاور کی طرف چل پڑے اور آدھے راستے میں اتر کر کراچی کی ٹرین پکڑ لے۔ ایسا مسافر ساری زندگی کولہو کے بیل کی طرح اسٹیشن کے گرد ہی گھومتا رہے گا اور کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لہٰذا یک سوئی نہایت ضروری ہے۔ پہلے ایک منزل اور راستے کا تعین کریں تا کہ اس سمت جانے والی ٹرین پر سوار ہوا جاسکے۔ یاد رہے کہ منزل کے شعور کے بغیر کی جانے والی تمام کوششیں لاحاصل اور بے سود و بے نتیجہ رہیں گی۔

(۳) ٹرین اور راستہ

اب ٹرین کے ڈھانچے کو غور سے دیکھیں۔ اس کے آگے ایک انجن لگا ہوتا ہے جسے تربیت یافتہ ڈرائیور چلاتا ہے۔ ٹرین کی مثال بس یا کار کی نہیں ہے کہ جہاں دل چاہا موڑ لی یا روک لی۔ ریل گاڑیاں طے شدہ tracks پر چلتی ہیں اور ان کے بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور ڈرائیور ایک طے شدہ رفتار کے ساتھ ٹرین کو اپنے track پر رواں دواں رکھتے ہوئے منزل کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر track سے اترنے کی کوشش کی جائے تو ٹرین تباہ ہو جاتی ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ٹرین کے ساتھ ڈبے جڑے ہوتے ہیں۔ تحریکی زندگی میں اس کی مثال ایسے ہے جیسے ٹرین تحریک منہاج القرآن ہے اور اس کا انجن اور چلانے والی قیادت شیخ الاسلام ہیں۔ اِس ٹرین کے ساتھ جڑے compartments ہماری تنظیمات ہیں۔ کہیں یوتھ لیگ ہے، کہیں ایم ایس ایم ہے، کہیں ویمن لیگ ہے، کہیں دعوت کا فورم ہے اور کہیں تربیت کا فورم ہے۔ ہر ہر نظامت اور تنظیم ایک ڈبے کی حیثیت رکھتی ہے اور ٹرین کو دیکھیں تو سب ڈبے ایک دوسرے سے

منسلک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بندہ اپنے آپ کو ٹرین سے یا کسی ڈبے سے جدا کرنا چاہے تو کسی کے جدا ہونے سے ٹرین کا سفر نہیں رکتا، کیونکہ اس ٹرین کا ڈرائیور اس ٹرین کو تیزی کے ساتھ منزل کی طرف لے جا رہا ہوتا ہے اور وہ ٹرین معینہ track پر متاثر ہوئے بغیر پوری رفتار سے چلتی رہتی ہے۔ اب اگر کسی کمپارٹمنٹ کا کوئی مسافر ٹرین کے منزل کی جانب رواں دواں سفر میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا تو وہ اس میں ہرگز کام یاب نہیں ہوسکتا۔ اسے خود ٹرین سے نکلنا ہوگا کیونکہ ٹرین کا انجن کام یابی سے صحیح راستے پر- بدخواہ مسافر کے مذموم عزائم سے بے نیاز - منزل کی طرف محوِ سفر ہے۔ بس ایک ہی شرط ہے کہ وہ تمام ڈبے - یعنی تنظیمات اور فورمز و شعبہ جات - منزل تک تب پہنچیں گے جب ایک دوسرے سے جڑے رہیں گے۔ ڈبے ایک دوسرے سے لڑا نہیں کرتے، وہ coordina tion میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر چلتے ہیں تو منزل تک سفر طے ہوتا ہے۔ دورانِ سفر ہمیشہ باخبر رہنے کی ضرورت ہے کہ جب منزل بھی ایک ہے، اس منزل کی جانب لے کر جانے والی قیادت بھی ایک ہے، وہ ٹرین بھی ایک ہے جو منزل کی طرف لے جا رہی ہے تو مشکلات کو عبور کرتے ہوئے تمام اختلافات بھلا کر ہمیں اپنا سفر طے کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ اس ٹرین نے تو اللہ کے حکم سے منزل تک پہنچنا ہے۔ اس کی رفتار کو کوئی متاثر نہیں کرسکتا۔ ہم صرف اپنے لیے ہی مشکل پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا coordina tion نہایت ضروری ہے۔

(۴) ذِمہ داری کا شعور

اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی اعلیٰ تر مقصد اور تحریکی ضرورت کے پیشِ نظر ایک فورم سے دوسرے فورم میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دل چھوٹا کر لیا جائے اور تصور کر لیا جائے کہ اس کے جانے سے اب یہ شعبہ متوقع نتائج حاصل نہیں کرسکے گا۔ دوسرے فورم پر فرائض ادا کرنے والے بھی اسی تحریک اور تنظیم کا حصہ ہیں جس پر ہم کام کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ بعض

کارکنوں کی غیر معمولی صلاحیتیں سامنے آتی ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی بڑے عہدوں پر فائز لوگ مطلوبہ نتائج پیدا نہ کرسکیں تو وہ کھلے دل سے غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل چھوٹے کارکن کے ذمہ لگا دیں؛ اور اسی طرح جو کام چھوٹے کارکن سرانجام نہ دے سکیں وہ بڑے عہدوں پر فائز لوگوں کے سپرد کر دیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر کسی میں صلاحیت کی کمی ہے تو اس میں شرمانے کی بات نہیں۔ اگر وہ کھلے دل سے اس کا اظہار کر دے کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہے اور وہ کسی باصلاحیت کو اس کام کے لیے آگے کر دے تو اس کا یہ عمل زیادہ باعثِ احترام ہے اور اس میں اس کی زیادہ عزت ہے۔ قرآن مجید اس کا گواہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جب تبلیغ کی ذمہ داری سونپی تو اگرچہ وہ صاحبِ نبوت اور صاحبِ فضیلت رسول تھے مگر آپ نے کھلے الفاظ میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اظہار کیا جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے:

وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ○[۱]

اور (ایسے ناسازگار ماحول میں) میرا سینہ تنگ ہوجاتا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چلتی سو ہارون (علیہ السلام) کی طرف (بھی جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے ساتھ) بھیج دے (تاکہ وہ میرا معاون بن جائے)○

بارگاہِ الٰہی میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ہمارے لیے انقلابی جد و جہد میں تنظیمی زندگی کے حوالے سے عظیم رہنمائی کی حامل ہے۔ اب جب حضرت ہارون علیہ السلام نے وہ ذمہ داری سنبھالی تو کیا اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت حضرت ہارون علیہ السلام کے نام منسوب ہوگئی؟ شریعت تو موسیٰ علیہ السلام کی ہی رہی اور عظمت بھی موسیٰ علیہ السلام کی رہی۔ حق بات یہ ہے کہ اعترافِ حقیقت میں عظمت زیادہ ہے مگر لوگ انا کی وجہ سے جھوٹی عزت کا خول بنا کر اس میں اپنے آپ کو قید کر لیتے ہیں۔ اگر اپنے آپ سے زیادہ باصلاحیت کسی دوسرے کا نام لے لیتے تو کام بہتر انداز میں انجام پا جاتا۔ لیکن ہم نے اپنی ذمہ داری کے ساتھ

(۱) الشعراء، ۲۶:۱۳

بددیانتی کی، جب ہم نے اپنی جھوٹی عزت کی خاطر تحریک کا کام اپنی کم صلاحیت کے باوجود اپنے پاس رکھا اور تحریک کے کام کو نقصان پہنچنے دیا تاکہ جھوٹی عزت سلامت رہے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اس میں یہ کمی ہے۔ اگر وہ اپنی صلاحیت میں کمی کو تسلیم کرتے ہوئے تحریک میں اپنے عہدے یا ذمہ داری سے اس شخص کے حق میں دست بردار ہو جاتا ہے جو اس کا صحیح حق دار ہے تو اس کا یہ عمل اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہوتا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کام کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ اسی کو ذمہ داری کا شعور کہتے ہیں جو کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے اور حصولِ نتائج کا سرچشمہ بھی۔ لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بڑی بڑی تحریکوں، جماعتوں اور تنظیموں کی ناکامی کا بڑا سبب یہی جھوٹی انا بنتی ہے۔ عہدوں پر براجمان نام نہاد قائدین- یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ان کے اہل نہیں - اپنے عہدوں سے چمٹے رہتے ہیں۔

۳۔ خوش گوار تنظیمی سفر

اب ٹرین کی طرف آتے ہیں۔ سفر جاری و ساری ہے، ڈبے ہیں اور ایک main قیادت ہے جو اس ٹرین کو آگے لے جارہی ہے۔ اب ہر ڈبے میں مقامی انتظامیہ بھی ہوا کرتی ہے جو درپیش مسائل کو حل کرتی ہے۔ ان کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ مسافروں کے سفر کو خوش گوار بنایا جائے کیونکہ منزل ایک ہے، قیادت ایک ہے، سب کے دل کا درد مشترک ہے اور سب نے ایک ہی منزل پر پہنچنا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ ٹرین میں سفر کرنے والا شخص اگر انتظامیہ سے لڑ جھگڑ کر سفر کرے گا تو کیا وہ سفر خوش گوار گزرے گا یا اس کے برعکس اچھے اور دوستانہ ماحول میں سفر خوش گوار گزرے گا؟

ایک بات یہ ذہن نشین رکھی جائے کہ ٹرین کے ڈبوں کے مسافر یعنی فورمز اور کارکن اگر آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی رہیں تو ٹرین ان چھوٹی موٹی لڑائیوں سے رکتی نہیں، اس نے چلتے رہنا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر خوشگوار ماحول میں سفر کریں گے

تو اچھا سفر کٹے گا۔ یہ کارکن کے لیے آسانی ہے۔ اور اگر انتظامیہ کے ساتھ کرسیوں کے حصول میں جھگڑتے رہیں گے تو اس سے ٹرین اور اس کی رفتار یا قیادت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن کارکن اپنا سفر مشکل میں گزاریں گے اور آسودگی سے طے نہیں کر پائیں گے۔ بلکہ ایک ایسا بھی وقت آ سکتا ہے کہ جھگڑا کرنے والوں میں سے لامحالہ کسی ایک کو ٹرین سے ہی اترنا پڑے۔ اِس ذہنی اِنتشار اور اُلجھاؤ کے ذِمہ دار کارکن خود ہوں گے یا مقامی اِنتظامیہ۔ جہاں تک گاڑی چلانے والے کا تعلق ہے وہ تو کارکن کے مسائل اور طبیعت سے قطع نظر محوِ سفر ہے۔ اب کارکن خود اپنے پیدا کئے ہوئے اختلافات اور جھگڑوں کے باعث اگر سفر سے مایوس ہو رہے ہوں تو اس کا قصور گاڑی چلانے والے پر ہرگز نہیں ڈال سکتے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر مسافر اپنا سفر خوش گوار اور باہم اخلاص کے ساتھ گزاریں گے تو اس کا فائدہ بھی انہیں ہے نہ کہ ٹرین یا اس کی قیادت کو ہے۔ تحریکی سفر میں ایک مغالطہ یہ جنم لیتا ہے کہ جو ظاہر میں بڑے عہدے یعنی قیادت کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے بس اسی کا رتبہ وعزت زیادہ ہے اور پیچھے رہنے والے یعنی قیادت سے دور بیٹھے مخلص کارکن کوئی حیثیت اور عزت نہیں رکھتے۔ اگر تحریک کو ٹرین تصور کر لیا جائے تو یہ شبہ بھی اذہان سے نکال دینا چاہیے کیونکہ اگلی پچھلی سیٹوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب سیٹیں برابر ہوتی ہیں اور سب نے ہی منزل تک پہنچنا ہوتا ہے۔ کوئی اگلے ڈبے میں سوار ہو یا پچھلے ڈبے میں سوار ہو، منزل سب کی ایک ہے۔ لہٰذا یہ سب باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں اور ایسے تمام شکوک و شبہات شیطانی حربے ہوتے ہیں جو داعی کی توجہ اصل مقصود سے ہٹا کر دوسری طرف مبذول کرانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ اندریں حالات ہمیں چاہیے کہ ہم ان شیطانی چالوں کو سمجھیں اور روانی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں تاکہ کسی رکاوٹ کے بغیر جلد اَز جلد اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔ اِخلاص، محبت، ایمان داری اور تواضع کے ساتھ سفر کیا جائے تو سب کو فائدہ اور آسانی رہتی ہے۔

۴۔ کام یاب سفر کے لیے یقینِ کامل ہونا ضروری ہے

اگر ٹرین میں سوار کسی شخص کو ٹرین کے منزل تک پہنچنے کا ہی یقین نہ ہو تو کیا وہ شخص ٹرین پر سوار رہتا ہے یا اُتر کر کوئی اور ٹرین تلاش کرتا ہے؟ یقیناً وہ اتر جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ شک ہو جائے کہ یہ ٹرین کسی تصادم کا شکار ہونے والی ہے یا اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے تو کیا وہ اس ٹرین پر سوار رہے گا یا اتر جائے گا؟ حق بات یہ ہے کہ وہ کبھی سوار نہیں ہوگا۔ ٹرین پر سوار ہونے والے مسافر کے لئے اس ٹرین پر سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچنے کا کامل یقین ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا ٹرین میں سوار ہر شخص کا ذہن ایسے وساوس سے پاک ہونا چاہیے۔ اگر کسی سوار کو یہ یقین نہ ہو کہ ٹریک یا ٹرین اسے گنبد خضریٰ تک لے جائے گی یا اسے اپنی قیادت یا اس کے فیصلوں پر یقین نہ ہو تو اس کے لیے راست اقدام یہی ہے کہ وہ فوراً ٹرین سے اتر جائے اور اپنی زندگی کو بلا وجہ مشکل میں نہ ڈالے۔ لیکن اگر اس ٹرین پر سفر جاری رکھنا ہے تو پھر اسے یقین کامل ہونا چاہئے کہ یہ ٹریک درست ہے، ٹرین کو چلانے والی قیادت بھی درست ہے اور ٹرین صحیح سمت میں جا رہی ہے۔ اس پر ایمان و ایقان رہے تو پھر وہ اس پر سوار رہے۔ بصورت دیگر وہ اپنے آپ کو بھی پریشان کرتا ہے اور اپنے ساتھ ہم سفر لوگوں کو بھی مشکل میں ڈالتا ہے اور شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے کہ یہ ٹرین شاید منزل تک نہیں پہنچے گی۔ کسی شخص کو اپنے ہم سفر ساتھیوں کو پریشان کرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ منزل کے راستے میں کئی اسٹیشن آتے ہیں۔ وہ اسٹیشن کیا ہیں؟ وہ مختلف اَدوار اور زمانے ہیں۔ کوئی کسی اسٹیشن سے چڑھتا ہے تو کسی کا سفر اتنا ہی لکھا ہوتا ہے، وہ اگلے اسٹیشن پر اتر جاتا ہے۔ اس اسٹیشن سے کچھ نئے لوگ چڑھ جاتے ہیں اور وہ کچھ سفر طے کرتے ہیں۔ لیکن نہ کوئی مسافر اس ڈبے میں لگی کرسی اپنے ساتھ لاتا ہے نہ کوئی مسافر اس ڈبے میں لگی کرسی باہر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہ کرسیاں اس ٹرین کی ہیں، اس compartment کی ہیں، اس قیادت کی ہیں

جس کی وہ ٹرین ہے۔ کوئی کسی کرسی پر اجارہ داری نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ کرسی کسی بھی مسافر کی نہیں ہے۔ اس کا حق صرف اتنا ہے کہ اسے جتنے وقت کے لیے وہ کرسی دی گئی ہے وہ اس کے ساتھ انصاف کرے لیکن اس کا مالک بن کر بیٹھنے کی جرأت نہ کرے کہ نئے آنے والے کو اس کرسی پر نہیں بیٹھنے دینا۔ ہمارا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط اور مشن مخالف طرزِ عمل ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ اگلے اسٹیشن سے جو نیا شخص آپ کا ہم سفر بنے اس سے دوستی کرتے ہوئے اس کو اپنے جملہ معاملات میں شامل کیا جائے تاکہ سفر خوش گوار گزرے۔

۵۔ تجدیدی تحریک سے مراد

منزل تک پہنچنے کا سفر بھی جاری رہتا ہے اور دوسروں کو ہم سفر بنانے کا عمل بھی۔ دنیا کے اس سفر میں اپنے اپنے وقت پر ہر کسی نے فنا کے گھاٹ اتر جانا ہے۔ چنانچہ ہم سب نے بھی باری باری اتر جانا ہے لیکن ٹرین نے چلتے رہنا ہے۔ ٹرین کو چلانے والے ڈرائیور کی بھی ایک ہی شفٹ ہوتی ہے کوئی ڈرائیور کبھی دو شفٹیں نہیں چلاتا۔ اس نے ایک جگہ سے اس ٹریک کو لے کر چلنا ہے اور اگلی جگہ پر اس کی شفٹ نے ختم ہو جانا ہے۔ پھر ایک نئے ڈرائیور نے آ کر ٹرین کو سنبھال لینا ہے۔ انجن نے بھی وہی رہنا ہے، روٹ بھی وہی رہنا ہے، ان کرسیوں نے بھی وہیں رہنا ہے اور ڈبوں نے بھی وہیں رہنا ہے جب کہ ٹرین چلتی رہے گی کیونکہ اس ٹرین نے ٹریک پر رہتے ہوئے اس سفر کو جاری رکھنا ہے۔ یاد رکھیں! محبت منزل سے ہوا کرتی ہے، محبت سفر سے ہوا کرتی ہے اور ہم سفر سے ہوا کرتی ہے لیکن محبت کبھی کرسی یا ٹرین کے ڈبے سے نہیں ہوا کرتی۔ تحریکی زندگی میں کرسی اور اس کے لوازمات کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے ہمیں اپنی تحریکی زندگی کے لیے بہترین سبق ملتا ہے۔

اسی طرح بعض trains سست رفتار ہوتی ہیں اور آہستہ آہستہ منزل تک لے

جاتی ہیں یعنی منزل کی طرف جا رہی ہوتی ہیں مگر رفتار بہت کم ہوتی ہے۔ ان کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا کیوں کہ کمزور ٹرین ہے، اگر راستے میں دم توڑ دیا تو مسافر راستے میں رہ جائیں گے، جیسے اِس وقت پاکستان ریلویز کا حال ہے۔ اس کے برعکس تحریک منہاج القرآن کا شمار وقت اور زمانے کی ضرورت کے اعتبار سے اُن جدید ترین trains میں ہوتا ہے جو پُروقار انداز میں تیزی سے سفر طے کرتی ہیں اور منزل پر جا کر ہی رکتی ہیں۔ تحریک منہاج القرآن کا اس زمانے کی دیگر جماعتوں کے بالمقابل یہی فرق ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اس زمانے کی تجدیدی تحریک ہے تو اس کا مطلب ہے یہ اس زمانے کی ضروریات پوری کرنے والی تحریک ہے۔ دین تجدید کے باعث ہی زندہ اور قابلِ عمل رہتا ہے۔ اللہ کے فضل سے یہی منہاج القرآن کا طرۂ امتیاز ہے۔ باقی دیگر جماعتیں اور تنظیمیں بھی سوئے منزل جاتی ہیں لیکن تجدیدِ دین کے حوالے سے وہ پرانے ماڈل کی ہیں۔ وہ بھی درست ہوں گے، ہم کسی کو برا نہیں کہتے؛ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ہم اُس تحریک میں شامل ہیں جو تیزی اور کامیابی سے سوئے منزل رواں دواں ہے۔ سفر کرنے کے لیے یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ جس ٹرین پر سوار ہو رہے ہیں وہ ٹرین کن کن اوصاف کی حامل ہے۔

۶۔ تحریکی فکر سے مکمل شناسائی کیوں ضروری ہے؟

یہ انسانی سرشت میں ہے کہ انسان جب لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو ضروری سامان، راستے کے لیے کھانا اور رقم وغیرہ لے کر نکلتا ہے۔ کئی دن کا سفر ہو تو کپڑے بھی ساتھ لے لیتا ہے۔ جب کہ ہماری منزل دور ہے اور سفر بھی لمبا اور کٹھن ہے۔ زادِ راہ کے بغیر سفر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریکی زندگی کا زادِ راہ کیا ہے؟ یہ زادِ راہ قائد اور شیخ کی محبت ہے، فکر اور نظریے کی پختگی ہے اور تحریک کے پیغام سے شناسائی ہے۔ یہ سب تحریک منہاج القرآن اور اس کی ٹرین پر سوار ہونے والوں کے لیے زادِ راہ ہے۔

اسی طرح سفر کے دوران اگر آنکھ لگ جائے تو اسٹیشن چھوٹ جاتے ہیں۔ کوشش یہی کرنی چاہئے کہ سفر کے دوران میں ہم سفر ایمان دار ہوتا کہ سفر کے دوران میں اگر آپ کی آنکھ بھی لگ جائے تو وہ آپ کو جگا دے اور آپ کی منزل نہ چھوٹ جائے۔ ویسے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ سفر کے دوران سویا ہی نہ جائے۔

یہاں آنکھ لگنے سے مراد مشن سے کمزور تعلق اور فکر ونظریہ کی عدم پختگی ہے۔ اول تو تحریک کے سفر میں سستی اور کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر کسی بشری تقاضے کے باعث ایسی کمی در آئے تو ایسے ساتھی کی رفاقت انتہائی ضروری ہے جو بروقت خوابِ غفلت سے بے دار کر دے۔ بلاشبہ تحریک کا سفر لمبا اور کٹھن ہے لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اِن شاء اللہ ہم کامیابی سے ہم کنار ہوں گے اور ایک دن آئے گا جب تاجدار کائنات ﷺ اپنے اُمتیوں کو اور تحریک منہاج القرآن کے ہر ہر رفیق کو حضرت شیخ الاسلام کی قیادت میں نام لے کر پکاریں گے۔ تب سفر کی سب تھکاوٹ دور ہو جائے گی۔ عشق والے راستے میں سویا نہیں کرتے۔ ہر دن محنت میں گزارا جائے اور سفر محبت کی مہم اسی جاں فشانی کے ساتھ پوری کی جائے کہ مدعا مل جائے اور تھکاوٹ دور ہو جائے۔

حرفِ آخر

سفر کی تکمیل کے لیے چند باتیں ذہن نشین رکھنا انتہائی ضروری ہیں۔ سفر جب لمبا ہو تو تیاری کے ساتھ نکلتے ہیں۔ تحریکی، فکری اور شعوری فروغ کے لیے کچھ تیاری ضروری ہے۔ اس کے لیے آپ کا مرکز مختلف جگہوں پر تربیتی کیمپ منعقد کرتا ہے جن میں اس سفر کی تیاری کروائی جاتی ہے۔ تحصیلی و ضلعی سطح پر اور ان سے بھی زیریں و بالائی ہر سطح پر کوشش کرنی چاہئے کہ اس تیاری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ جہاں تربیتی ورکشاپس نہیں ہو رہیں وہاں تربیتی مواد، جذبہ اور رغبت اور دیگر اہم انسانی اور مادی وسائل یعنی human & material resources فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم نے اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ تمام قائدانہ صلاحیتیں اپنے اندر موجود ہوں۔ اگر ہم اچھے ورکر بن جائیں تو خودبخود اللہ قائد بنا دے گا۔ ورکر بنے بغیر قائد بننے کی کوشش کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ دنیا میں انسان عزت مانگتا رہے تو اسے عزت نہیں ملتی لیکن اگر وہ تحریک کی خاطر دل و جان سے جد و جہد کرتے ہوئے صمیم قلب سے خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائے تو اللہ اس کا سر خود اٹھا دیتا ہے۔ سجدہ ریزی سے عزت ملتی ہے۔ سر اٹھانے کا کام اللہ پر چھوڑ دیا کریں۔ بس آپ محنت اور استقامت کے ساتھ خدمتِ دین جاری رکھیں اور انعام اللہ پر چھوڑ دیں۔ پھر ہر کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ داعی بن جائے۔ اگر کسی مسافر کو اپنا ہم سفر کرنا ہے تو اس کے لئے دل میں محبت رکھیں تاکہ اس کی صحیح راہنمائی کر سکیں اور اپنے ساتھ لے کر چل سکیں۔ جب ہم سب اس قابل بن جائیں گے تو دوسرے لوگ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے خود بخود کھنچے چلے آئیں گے۔ اس کے لیے ہر کارکن کو داعی بننا ضروری ہے۔

یاد رکھیں! منزل ایک ہے۔ اگر ڈبے آپس میں تعاون نہیں کریں گے تو مشکل ہو جائے گی۔ باہمی تعاون (coordination) ضروری ہے اور یہ تعاون اُفقی (horizontal) اور عمودی (vertical) ہر دو سطحوں پر ہونا چاہیے۔ ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ ہر فورم پر اگر ٹاؤن کی تنظیم ہے تو ان کی آپس میں horizontal coordination تو ہے لیکن نچلی سطح پر vertical coordination نہیں ہے۔ جب کہ ٹرین کے ڈبے vertical coordination میں مربوط (linked) رہتے ہیں اور اپنا سفر سہولت سے طے کرتے ہیں۔ چنانچہ جو ہدایت اور پیغام قیادت کی جانب سے ملے، وہ نیچے تک پہنچایا کریں۔ ہمارا کیا حق ہے کہ اسے اپنے تک محدود رکھیں اور اسے نیچے تک نہ پہنچائیں! تحریک کے کام کے لیے دردمند ہو جائیں۔

تحریک کی طرف سے جو targets بھی دیے جائیں اس پر کام کو یقینی بنائیں۔ زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کریں۔ اس راہ میں حائل رکاوٹوں کا جرأت اور حوصلے سے

مقابلہ کریں۔ وابستگی کی مہم سے کیا مراد ہے؟ اس کی definition کیا ہے؟ وہ ہے حیات کے اسٹیشن پر بھٹکے ہوئے مسافروں کو اپنا ہم سفر کرنا اور انہیں بھی منزل کی خبر دینا۔ وابستگی کی مہم کو ہمیشہ ہمت، حوصلے، تدبر اور محنت کے ساتھ کامیاب بنائیں۔

انسان دنیا میں ایک ہی بار آتا ہے، پھر چلا جاتا ہے۔کوئی چالیس پچاس سال کی زندگی لاتا ہے،کوئی ساٹھ یا ستر یا اَسّی سال کی۔کل یہی وقت انسان کے پاس ہے۔ حقیقی بات تو یہ ہے کہ کسی کو یہ بھی خبر نہیں کہ اگلا لمحہ اس نے زندہ رہنا ہے یا نہیں۔ ہمارے پاس نہ ہمارا ماضی ہوتا ہے نہ مستقبل، ہمارے پاس صرف حال کا لمحہ ہے۔ جو آج ہمارے اختیار میں ہے اُس کے لیےفوری طور پر مستعد ہو جائیں۔ پتہ نہیں وہ کل آئے یا نہ آئے اور اس عظیم خدمت سے محروم ہی دنیا سے لوٹ جائیں۔ یہ دنیا کمرۂ امتحان ہے، یہاں محنت کرنی ہے۔ جاگ کر سفر طے کرنا ہے اور وہ تمام مہمات اور اہداف حاصل کرنے ہیں جو آپ کے ذمہ ہیں۔کیا پتہ اگلا target ملنے تک زندہ رہیں نہ رہیں۔ اِنقلاب کے سفر میں سستی اور مایوسی حرام ہے۔تجدید عہد وفا کرتے ہوئے ہمیشہ خود کو مستعد و کمر بستہ رکھیں اور اللہ رب العزت کے حضور استقامت کے لئے دعا گو رہیں۔

باب دُوُم

اِجتماعی تحریکی زندگی

(واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کی روشنی میں)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰـهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا○[1]

اور (وہ واقعہ بھی یاد کیجیے) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے (جواں سال ساتھی اور) خادم (یوشع بن نون علیہ السلام) سے کہا: میں (پیچھے) نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ جاؤں یا مدتوں چلتا رہوں○

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کی کئی شروحات اور تفاسیر ہیں جو ہم پڑھتے سنتے رہتے ہیں، مگر زیرِ نظر سطور میں اِس واقعہ سے تحریکی زندگی میں managerial principles (اِنتظامی اُصولوں) پر حاصل ہونے والی تربیت کا تذکرہ کریں گے تاکہ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تحریکی جد و جہد جاری رکھ سکیں۔ منزل کا حصول اَن تھک جدوجہد کا متقاضی ہے۔ وہی کارکن اپنی کوششوں میں سرخرو ہوتے ہیں جو کامیابی و کامرانی کے جملہ تقاضے پورا کرنے میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتے اور کامیابی کے حصول کے لئے مطلوبہ تقاضوں کے مطابق ہر لمحے اپنے اَعمال و اَحوال کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ ذیل میں سورۃ الکہف میں مذکور واقعہ خضر علیہ السلام سے استنباط کرتے ہوئے چند اہم ضروری تقاضے اور اصول بیان کیے گئے ہیں جن کی روشنی میں ہم میں سے ہر کوئی اپنی تحریکی جد و جہد کا جائزہ لے سکتا ہے۔ یاد رہے! وہی قومیں دنیا میں سرخرو ہوتی

---

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۰

ہیں جو ہر لمحے اپنے اَعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا.(۱)

اپنے نفسوں کا خود محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

ا۔ ذات کی نفی کرنا

سورۃ الکہف میں بیان کئے ہوئے اس واقعے کے پس منظر کی مکمل تفصیل ایک حدیث شریف میں ملتی ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا أَعْلَمُ. فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ، إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ. فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ: أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ. (۲)

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ کون سب سے زیادہ علم والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: 'میں زیادہ عالم ہوں'۔ تو اس پر اللہ رب العزت نے ان پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے علم کی نسبت اس کی طرف کیوں نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی:

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، ۴:۶۳۸، رقم:۲۴۵۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب ما یستحب للعالمِ إذا سئل أي الناسِ أعلم فیکل العلم إلي الله، ۱: ۵۷، رقم: ۱۲۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر علیہ السلام، ۴:۱۸۴۷، رقم:۲۳۸۰

میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے اور وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں واقعہ کی مکمل تفصیل درج ہے لیکن یہاں صرف متعلقہ حصہ بیان کیا گیا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں اپنا سب سے زیادہ عالم ہونا بیان کیا تو اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤاخذہ فرمایا کہ انہوں نے اس علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی ذات کی طرف کی۔ اِس پر انہیں اس سارے سفر سے گزرنا پڑا جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ الکھف میں آیا ہے۔ قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام سے استنباط کرتے ہوئے فرداً فرداً مختلف ضوابط کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے تاکہ اپنی تحریکی زندگی کے لئے جو جو سبق اور راہنمائی ہمیں حاصل ہو اس پر غور کر کے اپنے اَحوالِ حیات بدل سکیں۔

یہاں ہمارے لئے ایک سبق یہ ہے کہ جب ہم مشن کی خدمت کرتے ہیں تو راہ میں ہزارہا مقامات (milestones) ایسے آتے ہیں کہ جب کوئی عہدے دار یا کارکن اپنے عہدے یا اپنی جگہ پر اپنے ڈپارٹمنٹ میں کوئی کام یابی حاصل کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ چونکہ اس مہم یا اس ڈپارٹمنٹ کا زیادہ تر میں ہی انچارج تھا اس لئے اس شعبے کی کامیابی میری ذاتی کاوش اور تگ دو کے باعث ہے۔ اس مقام پر قرآن مجید سے یہ سبق مل رہا ہے کہ ایک انسان تو انسان اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی اس چیز کا دعویٰ کرنے پر مؤاخذہ فرمایا۔ چنانچہ جو بھی کام یابی ملے- بے شک وہ نعمت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ صلاحیتوں کے نتیجے میں ہی ہوتی ہے- لیکن اس عطا کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور ان کے وسیلے سے اپنی جماعت تحریک منہاج القرآن کی طرف کر دی جائے کہ یہ سارا تحریک منہاج القرآن کا فیض ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تحریک کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی نشانی بھی ہے کہ بحمدہٖ جس کے اثرات پوری دنیا میں ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ

حال تھی تو یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ چنانچہ جب تک مشن اور اس کی کام یابیوں کے سفر میں انسان کی سوچ کا محور اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی عنایات رہتی ہیں اور اس کی نظر اپنے کاموں پر نہیں پڑتی اُس وقت تک خیر رہتی ہے۔ جب انسان کی نظر اپنے نفس کی طرف دیکھنے میں مصروف ہو جائے کہ جب سے میں نے یہ عہدہ سنبھالا ہے تب سے ہی یہ سب کام یابیاں حاصل ہوئی ہیں تو اسے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے اور اِس اَمر پر یقین کامل ہونا چاہیے کہ سب کام یابیاں صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی توفیق سے ممکن ہوئی ہیں اور اگر محض میری صلاحیت پر انحصار ہوتا تو میں کچھ بھی نہ کر پاتا۔

۲۔ جواں ہمت ہونا

مشن کی زندگی گزارتے ہوئے مصطفوی اِنقلاب کی منزل کی طرف گام زن سفر میں مختلف مراحل ایسے آتے ہیں یا بعض چیزیں خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہیں جن پر ہمیں فوری توجہ دینی چاہیے۔ اس حوالے سے قرآن حکیم قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ واقعہ کا وہ حصہ بیان کرتی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاشِ خضر علیہ السلام کے سفر پر روانہ ہوتے ہوئے اپنے جواں سال ساتھی کو منزل کی نشان دہی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰـهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا○ (۱)

اور (وہ واقعہ بھی یاد کیجیے:) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے (جواں سال ساتھی اور) خادم (یوشع بن نون علیہ السلام) سے کہا: میں (پیچھے) نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ جاؤں یا مدتوں چلتا رہوں○

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۰

یہاں قرآن حکیم میں ان کے ساتھی اور خادم کو فتاء کہا گیا ہے۔ لغت میں فتاء یا فتاہ اس مرد کو کہتے ہیں جو جواں سال بھی ہو اور خدمت گزار بھی۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی اسے کہا جا رہا ہے جو جواں سال ہو کر اللہ کی رضا کے سفر میں ان کے ساتھ چل رہا ہے۔ یہاں جوان محض عمر کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ وہ اپنی motivation، اپنی encouragement اور اپنے احساسات میں بھی جوان ہو، یعنی اس کے جذبات اللہ اور اس کے دین کی خاطر جوان ہوں اور دوسرا اس سفر میں وہ جس قائد کے ساتھ چل رہا ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق اخلاص اور خدمت گزاری پر مبنی ہو۔ ایسے اوصاف کے حامل جوان کو قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صحیح ساتھی قرار دے رہا ہے۔ پہلا سبق تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ جب سفر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور مصطفوی منزل پانے کا ہوتو پھر اس سفر میں ساتھی بھی ایسے ہی اوصاف کے حامل ہوں۔ تحریکی سفر میں جذبات کو مستقل جواں رکھا جاتا ہے چاہے عمر جتنی بھی ہو جائے۔ پھر مشن کی خاطر اپنی قیادت کے ساتھ تعلق مستقل محنت اور خدمت گزاری کا ہونا چاہیے جس میں تھکاوٹ کے احساسات کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس واقعے میں ہم سب کے لئے یہ اہم پیغام پوشیدہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی خدمت کرتے ہوئے خود کو ہمیشہ جواں ہمت اور اخلاص و وفا کا پیکر بنائے رکھیں۔

۳۔ اَن تھک جد و جہد

قرآن حکیم نے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے عزم سفر کے وقت اپنے جواں سال ساتھی اور خادم یوشع بن نون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ 'میں پیچھے نہیں ہٹوں گا یا نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ جاؤں یا مدتوں چلتا رہوں'۔

جب ہم مصطفوی انقلاب کی منزل کا تعین کر کے یا اس کا ارادہ کر کے چلتے ہیں تو پھر یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ جب تک منزل نہیں مل جاتی اس کی جدوجہد میں نہ تھکاوٹ اور سستی کا شکار ہوں گے اور نہ ہی آگے بڑھنے کے عمل میں کوئی رکاوٹ برداشت کریں گے کیونکہ جب کسی بڑی منزل کے حصول کا ارادہ کر لیا جائے تو اس کے لئے محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ جب تک منزل مل نہیں جاتی اس وقت تک سفر جاری رہتا ہے۔ خواہ لاکھوں مصائب و آلام کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، عزم متزلزل نہیں ہوتا۔

یہاں اُسوۂ موسیٰ علیہ السلام سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب کوئی اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو منزل مان کر کسی مشن پر چلتا ہے تو پھر اسے نہ کوئی تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی اُکتاہٹ کا کوئی احساس ہوتا ہے۔ اِنسان اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک منزل نہیں ملتی، جیسا کہ اللہ کا نبی خود کہتا ہے:

لَآ اَبۡرَحُ حَتّٰٓی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا۝ (1)

میں (پیچھے) نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ جاؤں یا مدتوں چلتا رہوں۝

انبیاء کرام کا ہر کام امت کے لئے سنت ہوتا ہے اور یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ اور دکھائی گئی منزل تک جب تک پہنچتے نہیں اس وقت تک کوئی تھکاوٹ محسوس کئے بغیر مسلسل محوِ سفر رہتے ہیں۔

۴۔ اِخلاص اور محنت کا سنگم

گزشتہ صفحات میں ہم وہ حدیث مبارکہ پڑھ چکے ہیں جس میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں

(۱) الکہف، ۱۸:۶۰

ہے اور وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ وہ بندۂ خاص حضرت خضر علیہ السلام ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم یعنی علم لدُنی سے نوازا۔ حضرت خضر علیہ السلام کا مقام دو دریاؤں کا سنگم تھا۔ چنانچہ یاد رکھیں کہ منزل ہمیشہ وہاں پر ملتی ہے جہاں دو دریاؤں کا سنگم ہوتا ہے۔ اس سنگم سے مراد دین اور دنیا دونوں علوم کا یکجا ہونا ہے۔ جب تک اُمتِ مسلمہ ان دونوں علوم کو اکٹھے ساتھ لے کر نہیں چلتی ذلت و رسوائی کے عذاب سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ فی الوقت صورت حال یہ ہے کہ دنیوی علوم کے حامل دین سے یکسر بے بہرہ ہو کر الحاد، مادیت، لادینیت اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہیں اور مذہبی علوم کے حاملین سائنسی، تحقیقاتی، معاشی و معاشرتی علوم وفنون سے نابلد ہیں۔ نتیجتاً اُمت مسلمہ ترقی یافتہ اقوام کے بالمقابل مایوسی اور ذلت کے اندھیروں کا شکار ہے۔

ثانیاً تحریکی حوالے سے یہاں سنگم سے مراد وہ منزل ہے جہاں ہر کارکن اور ہر عہدے دار کا اِخلاص اور محنت یک جا ہو جائیں یعنی کامیابی کا انحصار اِخلاص اور محبت کے سنگم پر موقوف ہے۔ کئی بار کارکن صرف اِخلاص کے ساتھ چلتا ہے، محنت اس درجے کی نہیں ہوتی تو بھی منزل نہیں ملتی؛ کئی بار بہت زیادہ محنت ہوتی ہے لیکن اِخلاص اس درجے کا نہیں ہوتا تو بھی منزل نہیں ملتی۔ مجمع البحرین کا ذکر جو قرآن میں آیا ہے وہ اِس طرف اِشارہ ہے کہ جہاں تحریک منہاج القرآن کے ہر رفیق و کارکن کی محنت اور اِخلاص دونوں اپنے کمال پر پہنچ کر مل جائیں، وہاں اِن شاء اللہ تحریک منہاج القرآن کو منزل مل جائے گی۔ چنانچہ اُس وقت تک جد و جہد کا یہ سفر جاری رکھنا ضروری ہے اور ہمیں اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے کہ اگر منزل نہیں ملتی اور achievements نہیں ہو رہیں تو جان لینا چاہئے کہ ابھی ان دو دریاؤں کے سنگم تک نہیں پہنچ پائے یعنی یا اِخلاص زیادہ ہے اور محنت کم ہے یا محنت زیادہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مشن کے راستے پر چلنے میں اِخلاص کم ہے۔ جہاں وہ دونوں مل جائیں وہاں منزل ضرور مل جاتی ہے۔

اگر زندگی کے ہر ہر عمل میں غور کیا جائے تو مجمع البحرین کی پوری طرح سمجھ

آجاتی ہے۔ جہاں رزلٹ درکار ہے وہاں اِخلاص اور محنت کا سنگم ہونا ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے ایک قانون بنا دیا ہے کہ منزل کا حصول وہاں ممکن ہوتا ہے جہاں جدوجہد کے مطلوبہ معیارات کا سنگم ہوجائے۔

۵۔ حقیقی منزل کا تعین (روحانی تیقن)

مفسرین نے مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے واقعہ خضر علیہ السلام کی شرح میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاشِ خضر علیہ السلام میں چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے اللہ! میں اس مقام کو کیسے پہچانوں گا جہاں تیرا بندہ ملے گا؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا: اے موسیٰ! ایک تلی ہوئی مچھلی ساتھ لے، جہاں وہ زندہ ہوکر اپنا راستہ پانی میں بنا لے وہیں میرا خاص بندہ تمہیں ملے گا۔ جب وہ ان دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہ تلی ہوئی مچھلی زندہ ہوکر دریا میں سرنگ بناتے ہوئے نکل گئی لیکن یہ واقعہ شیطان نے حضرت یوشع بن نون کے ذہن سے بھلا دیا جن کے توشہ دان میں یہ مچھلی تھی۔

یاد رکھیں! جب سفر انقلاب پر روانہ ہوتے ہیں تو سو سو طرح کے سوالات انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں کہ حقیقی منزل کیا ہے؟ اور حقیقی achievement کیا ہے؟ کیا یہی وہ سیدھی راہِ انقلاب ہے جس پر ہم گامزن ہیں؟ اور جس کا خواب شیخ الاسلام نے دیکھا اور ہمیں عطا فرمایا۔ اسی طرح جب سوئے انقلاب روانہ ہوتے ہیں تو ہم دورانِ سفر بے شمار achievements حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس مقام پر ذہن میں ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی منزل کا تعین کیسے ہوگا؟ ان سب سوالات کا جواب یہ ہے کہ جہاں پر روح اور آپ کی satisfaction کے جذبات زندہ ہوکر گواہی دیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں ہماری یہ ٹوٹی پھوٹی کوششیں ان شاء اللہ ضرور بار آور ہوں گی اور اس سلسلے میں جو جو مراحل کامیابی سے طے ہوئے ہیں ان پر دلوں کا اطمینان ان کی قبولیت کی واضح دلیل ہے۔ یہی مچھلی کا زندہ ہونا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں بھی کہہ

سکتے ہیں کہ جہاں پر اخلاص اور محنت کے دونوں دریاؤں کا سنگم ہوجائے وہاں پر روح کے اطمینان کے نتیجے میں احساسِ قلبی زندہ ہوکر گواہی دیتا ہے کہ واقعتاً سفر انقلاب میں اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی رضا حاصل کرنے میں کچھ achievements ضرور حاصل ہوئی ہیں۔ یہ ایک طرح سے قبولیت کی نشانی ہے وگرنہ بظاہر انسان اگر لاکھ کامیابیاں دنیا کو دکھاتا رہے بات نہیں بنتی جب تک دل گواہی نہ دے کیونکہ آپ کا دل کبھی آپ کو جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔ جب دل سچی گواہی دے گا کہ ہاں تحریک منہاج القرآن کے لئے میں نے حقیقی معنوں میں achievement کی ہےتو تب وہ دل زندہ ہوگا اسے ہم مچھلی کے زندہ ہونے سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی اس satisfaction کا حاصل ہونا اور روح کا اس کی گواہی دینا ہی مچھلی کا زندہ ہونا ہے۔

۶۔ منزل کا جنوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاشِ خضر علیہ السلام میں جب اس مقام سے آگے بڑھ گئے جہاں مچھلی نے زندہ ہوکر پانی میں راستہ بنالیا تھا اور شیطان نے حضرت یوشع بن نون کو بھلا دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک محسوس ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ، بے شک ہم نے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا کیا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰـهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○[1]

پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے (تو) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا کھانا ہمارے پاس لاؤ، بے شک ہم نے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا کیا ہے○

---

(۱) الکہف، ۱۸:۶۲

اب بھوک کا احساس جو ستانے لگا تو یہ دراصل اللہ رب العزت کی طرف سے ان کو یاد دہانی اور مدد آئی۔ جب تک منزل پر پہنچے نہیں تھے بھوک کا احساس نہیں ہوا۔ یہ ایک اہم نقطہ ہے، اگر کوئی مخلص کارکن ہو اور منزل پانے کے شدید جذبات رکھتا ہو تو اسے جب تک منزل مل نہیں جاتی اس کی زندگی میں نہ آسائش ہوتی ہے نہ آرام، نہ بھوک ستاتی ہے نہ آرام کی طلب ہوتی ہے۔ مصطفوی انقلاب کے سچے مسافر کی زندگی کا ہر چین اور ہر سکون انقلاب کی منزل کے حصول پر نثار ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ طلب و خواہش سے بے نیاز منزل کے حصول میں صرف ہوتا ہے۔ ایسے میں اسے بھوک، عمدہ لباس اور تن آسانی سے کیا کام! اس کے پیش نظر بس ایک ہی طلب رہ جاتی ہے کہ منزل کا حصول کیسے ممکن ہو۔ وہ اسی کام میں مگن رہتا ہے۔

جب انسان پر منزل کا جنوں طاری ہو جائے تو بھوک پیاس کا احساس کیسے ختم ہو جاتا ہے؟ اس کا حال سب سے بڑھ کر خود تاجدارِ کائنات ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی منزلِ محبت و عشق کے احساسات کا عالم یہ تھا کہ غارِ حرا میں چالیس چالیس دن قیام کرتے اور جو سامان خورد و نوش یعنی پانی اور کھجوریں لے کر جاتے وہ سب ویسے ہی واپس لے آتے، چالیس دن کبھی بھوک اور پیاس نہ ستاتی۔ اصل تڑپ و چاہت اسے کہتے ہیں جس کے لطف میں زندگی کے احساسات اور خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان کے صبح و شام اسی منزل کے حصول میں گزرتے ہیں۔ جب تک منزل پر نہیں پہنچ جاتے اسے بھوک ستاتی ہے نہ پیاس۔ حضرت صابر کلیرؒ کے حالات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عشق الٰہی کی منزل میں ان کا جنونِ عشق کیا تھا کہ وہ چھ ماہ تک اللہ کے دیدار میں ایسے گم ہوئے کہ ان کے پاؤں کے اوپر گھاس پڑ کر اتنی بڑھ گئی کہ ان کے پاؤں چھپ گئے۔ نہ بھوک کا احساس نہ پیاس کا۔

یہ خواص اور خواص الخاص کی بات تھی۔ عام کارکنوں کے لئے ضروری ہے کہ جب تحریک اور انقلاب کا سفر طے کرتے ہوئے بشری تقاضوں کے باعث تھکاوٹ ہو

جائے تو پھر منزل کی طلب اور اس کی جستجو کے شوق کو اپنی غذا بنا کر تازہ دم ہوا کریں تاکہ روحانی غذا سے دعوت و تبلیغ اور خدمتِ دین برقرار رہے۔ یہ ہفتہ وار شب بیداریاں، حلقہ ہائے درود وفکر کی مجالس اسی روحانی خوراک کی ایک شکل ہے۔

یہ روحانی خوراک مشن کے سفر پر تھکنے والے کو از سرنو بیدار اور تازہ دم کر دیتی ہے۔ جب تک ہم اس روحانی خوراک اور اس کھانے کو مشقت کے بعد اپنی زندگی سے متعلق رکھیں گے تب تک ہماری زندگی میں وہ تازگی برقرار رہے گی۔ مختلف روحانی محافل کے انعقاد کے پیچھے یہی فلسفہ کارفرما ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں رسمی نہ بنایا جائے، بلکہ انہیں واقعی اس قابل بنائیں کہ یہ ہماری روحانی خوراک بنیں، خود نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے کہ جب سفر کرتے کرتے تھک جاؤ تو پھر کھانے سے اپنے آپ کو تازہ دم کرو۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تحریکی زندگیوں میں کارکنوں کی روحانی خوراک محبت و جنون اور چاشنی کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ جنہیں اپنی خوراک بنا کر تحریکی ماحول کو زندہ رکھا جاسکتا ہے۔ اس کی اس لئے بھی زیادہ ضرورت ہے کہ جسم کی طلب روحانیت سے پوری کرتے رہیں تو پھر مادیت حملہ نہیں کرتی۔ جب روحانی غذا ملنا بند ہو جائے تو پھر اس خوراک کی کمی کو مادیت پورا کرنے آ جاتی ہے۔ تھکاوٹ کا آنا بشری تقاضا ہے اس تھکاوٹ کو دور کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اس کے قلب کی تسکین ہونی چاہیے جو اسے تازہ دم کر دے۔ اب اس تسکین کا سامان دو طریقوں سے ہوتا ہے: مادیت سے یا روحانیت کے ذریعے۔ اگر اس فطری انسانی تقاضے کو پورا کرنے کے لئے مادیت کا راستہ اپنا لیں گے تو وہ اُسے دنیا پرستی، لعو ولہب، لادینیت اور اِلحاد کے اندھیروں میں گم کر دیتی ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے اور اگر اس خوراک کو پورا کرنے کے لئے آپ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور چاشنی کو ذریعہ بنا لیں تو روحانی تقویت ملتی رہتی ہے جو حصولِ منزل میں گامزن رکھتی ہے۔ ایک مرتبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری سے پوچھا گیا کہ

لوگ اپنی تکان دور کرنے کے لئے مختلف غذائیں کھاتے ہیں، آپ کیا تدابیر اختیار کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: 'مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے تقویت ملتی ہے'۔ لہٰذا خود کو تازہ دم رکھنے کے لئے ہمیں وہ خوراک اپنانا چاہیے جو ہمارے قائد نے اپنائی ہے۔ اللہ کا صد بار شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کا جسم ان دنیوی خوراکوں کے لئے نہیں بنایا۔ اگر بنایا ہوتا تو آپ کو اس کام میں نہ ڈالتے، کیونکہ جن کو اللہ تعالیٰ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے منتخب کرتا ہے انہیں دنیوی خوراکیں کبھی ہضم نہیں ہوتیں۔

یہاں ذہن میں سوال آ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ دین کی راہ پر چلنے والوں کی ذرا سی لغزش بھی معاف نہیں کی جاتی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کی یہ گرفت نہ کرے تو وہ بھی روحانی خوراک کو چھوڑ کر دنیوی دوڑ میں آگے بڑھتے چلے جائیں گے اور دنیا کے بندے بن کر اس کے دھندوں میں الجھ جائیں گے۔ اس لئے وہ آپ کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ آپ اس دنیوی دوڑ سے لوٹ آئیں اور اپنی خوراک روحانیت کے اندر تلاش کریں۔ جن کی برے کاموں پر گرفت نہ ہو تو سمجھ لیں کہ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بندگی سے دور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے پجاریوں اور ہوس پرستوں کو ہر چیز ہضم ہو جاتی ہے اور انہیں ڈھیل دی جاتی ہے کہ اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا اَمر (عذاب) آ پہنچے۔

یہ بنیادی طور پر خوراک کا وہ نقطہ نظر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواں سال ساتھی حضرت یوشع بن نون سے طلب کی۔ اس پر حضرت یوشع بن نون عرض کرنے لگے کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں وہاں مچھلی بھول گیا تھا اور مجھے یہ کسی نے نہیں بھلایا سوائے شیطان کے۔

۷۔ تحریکی زندگی اور شیطانی حملے

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں تحریکی زندگی کے حوالے سے اگلا سبق یہ ملتا

ہے کہ کئی بار تحریکی زندگی کے اندر بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھے ہوئے حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ چونکہ میرا فیصلہ ہے، یہ کیسے غلط ہو سکتا ہے جبکہ میرا اخلاص ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور میں تو بہت مخلص ہوں، میں نے تحریک کے لئے اتنی تگ و دو کی ہے، اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال تحریک کی نذر کئے ہیں۔ یاد رہے! کوئی جتنے بھی اونچے مقام تک پہنچ جائے یہ ضروری نہیں ہے کہ شیطان اس کو وسوسوں اور غلط راہ پر نہیں ڈال سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریکی زندگی میں جس قدر آگے بڑھتے جائیں گے شیطان کے حملے اتنے ہی شدید ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ جہاں داعی کی ایک جنگ دنیا کے ساتھ مستقل جاری رہتی ہے وہاں ایک جنگ شیطان کے ساتھ بھی رہتی ہے۔ شیطان مستقل طور پر آپ کو اپنے وساوس میں مبتلا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ یہاں حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کر رہے ہیں کہ:

اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ق عَجَبًا ○ (۱)

کیا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں (وہاں) مچھلی بھول گیا تھا، اور مجھے یہ کسی نے نہیں بھلایا سوائے شیطان کے کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں، اور اس (مچھلی) نے تو (زندہ ہو کر) دریا میں عجیب طریقہ سے اپنا راستہ بنا لیا تھا (اور وہ غائب ہوگئی تھی) ○

یوشع بن نون بھول گئے۔ بات بھولنے سے کیا ہے؟ منزل آئی لیکن اسے دور کر دیا گیا۔ پس یاد رہے کہ تحریکی زندگی میں تحریک منہاج القرآن کے جملہ قائدین، رفقاء و کارکنان اور وابستگان ہمیشہ اس چیز کو مدنظر رکھا کریں کہ حقیقی منزل کیا ہے اور کون سے راستے شیطان کے وساوس ہیں؟

(۱) الکہف، ۱۸:۶۳

جہادِ زندگانی میں ہم لوگ کئی بار سمجھتے ہیں کہ ہمارے فلاں عمل سے تحریک کو بہت فائدہ ہو گا لیکن حقیقت میں وہ تحریک کو نقصان کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ کوئی اس بات پر جھگڑا نہ کیا کرے اور نہ ہی اسے یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ میں نے بیس سال تحریک پر لگا دیئے اب میری سمجھ پر شک کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ کسی کی سمجھ پر شک کا معاملہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی کسی بھی مرتبے پر پہنچ جائے شیطان کسی وقت بھی اس کو misguide کرسکتا ہے، یہ وسوسہ شیطان کا ڈالا ہوا ہوتا ہے، یہ تحقیر یا ناپختگی کا سوال نہیں بلکہ حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کر لینے میں ہی عظمت ہے جیسے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے فرمایا کہ اُنہیں شیطان نے بھلا دیا۔ چنانچہ غلطی کا اعتراف کر لینا اور مان لینا بڑی عظمت کی بات ہے۔

۸۔ سراغِ زندگی

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے دو دریاؤں کے سنگم پر مچھلی کے زندہ ہو کر پانی میں رستہ بنانے کا ذکر سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے، جہاں پر مچھلی نے زندہ ہونا تھا۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○ (۱)

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: یہی وہ (مقام) ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے، پس دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر (وہی راستہ) تلاش کرتے ہوئے (اسی مقام پر) واپس پلٹ آئے○

چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر راستہ تلاش کرتے ہوئے اُس مقام پر واپس پلٹ آئے جسے اللہ کے بندے سے نسبت تھی۔ عرفاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی

(۱) الکہف، ۱۸:۶۴

حقیقت کی تلاش میں ہو اور اللہ کو ڈھونڈنا چاہتا ہو تو کوئی راستہ اسے خدا کی طرف نہیں لے جا سکتا، اگر وہ اپنی روح کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا چلا جائے تو اسے خدا مل جائے گا۔ اس لئے خدا کی تلاش کے لئے باہر دیکھنے کی بجائے اپنے من میں جھانکا جاتا ہے، بلاشبہ زندگی کا راز انسان کے اندر پنہاں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

اپنے من میں ڈوب کے پا جا سراغِ زندگی

اگر کوئی اپنی حقیقت کے قدموں کے نشانات ہی ڈھونڈتا چلا جائے تو وہ منزل تک پہنچ جائے گا۔ اس لئے جب کبھی تحریکی زندگی کی جدوجہد میں مشکل فیصلے کا وقت آئے کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے؟ تو اپنے اندر کی آواز، یعنی اپنے ضمیر کی آواز کو سنا کریں۔ کیونکہ ضمیر کی آواز ہر قلب سلیم کو سنائی دیتی ہے، یہ جدا بات ہے کہ ہم اسے سنی ان سنی کر دیتے ہیں حالانکہ یہ کبھی غلط مشورہ نہیں دیتا۔ اپنے باطن کے روبرو کھڑے ہو جایا کریں اور ہمیشہ اسی سے سوال کیا کریں، آپ کو وہیں سے صحیح اور درست جواب مل جائے گا۔ باطن کی نگاہ سے اپنے ظاہر کو دیکھا کریں، اسی میں حقیقی زندگی کا راز پنہاں ہے۔

۹۔ جدوجہد اور رضائے اِلٰہی

اس کے بعد آیت کریمہ میں بیان کیا گیا کہ جب وہ تلاشِ خضر علیہ السلام میں اپنے قدموں پر واپس لوٹے تو انہوں نے وہاں اللہ کے اُس خاص بندے کو پا لیا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے خصوصی رحمت عطا کی تھی اور اسے اپنا علم، علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔ قرآن حکیم اس کا ذکر یوں کرتا ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاo قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًاo[1]

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۵-۶۶

تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علیہ السلام) کو پا لیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علمِ لدنی (یعنی اَسرار و معارف کا اِلہامی علم) سکھایا تھاo اس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس (شرط) پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے (بھی) اس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو بغرضِ ارشاد سکھایا گیا ہےo

یہاں تربیت کا بہت بڑا نقطہ ہے۔ اللہ کے نبی ہمیں آدابِ طریقت (manners) سکھا رہے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی خاطر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت طویل مسافت طے کی تھی۔ مختلف روایات کے مطابق وہ سفر تیس سے چالیس روز کا تھا جو انہوں نے بغیر کھائے پیے منزل کے جنون میں طے کیا۔ جب وہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے تو انہوں نے وہاں ان سے اپنی ان مشکلات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جو دورانِ سفر انہیں پیش آئیں بلکہ وہاں صرف یہ عرض کیا کہ کیا آپ مجھے وہ علم سکھا سکتے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔

نبی علیہ السلام کی اس سنت کے برعکس ہمارا عمومی رویہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ہم اپنی وفاداری اور ایثار کوشی ثابت کرنے کے لئے دوسروں کے سامنے اپنی ان کاوشوں اور کوششوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہم نے تحریک کے لئے سرانجام دی ہیں مثلاً رات دن ایک کرتے ہوئے اتنے ممبر بنائے، اتنی تنظیمی نیٹ ورک قائم کئے، اتنا مالی ایثار کیا وغیرہ۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کرتے بلکہ اس کے عوض تحریک میں عہدہ اور منصب کے لئے اپنا حق طلب کرتے ہیں۔ ہماری سوچ یہ ہے اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسوۂ مبارک ملاحظہ کریں کہ وہ اتنی سخت محنت اور مشقت سے مسافت طے کر کے آئے لیکن انہوں نے اس کا کچھ تذکرہ نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے وہ ساری مشقت اللہ کی رضا کے لئے تھی چنانچہ ہمیں یہ امر ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ مشن کے لئے ہماری ساری تگ و دو اور محنت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کی ہو، اس کا تذکرہ کرنا اپنا ڈھنڈورا پیٹنے کے مترادف ہے

جو سراسر اخلاص کے خلاف ہے اور اگر حقیقی معنوں میں ساری کی ساری محنت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کی تو اس کو ذکر کرنا بے معنی ہے کیونکہ جس کے لئے محنت کی تھی اس نے دیکھ لی اور اس کا اجر بھی وہی دے گا۔

۱۰۔ سرِ تسلیم خم کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حصول علم کے سوال پر قرآن حکیم حضرت خضر علیہ السلام کے جواب کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا.[۱]

اور آپ اس (بات) پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جسے آپ (پورے طور پر) اپنے احاطۂ علم میں نہیں لائے ہوں گے؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بار دگر ساتھ رہنے کی درخواست کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے سفر کی رفاقت کو اس امر سے مشروط کیا کہ میں جو بھی کرتا جاؤں گا خاموشی سے دیکھتے جائیں، اور اس بارے میں کوئی سوال نہ کریں یہاں تک میں خود اپنے کاموں کی حقیقت بیان کر دوں۔ قرآن حکیم میں اس مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝[۲]

(خضر علیہ السلام نے) کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کر دوں ۝

یہاں ایک کارکن کے لئے قیادت کی صحبت میں رہنے اور اس کی پیروی میں رہ

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۸

(۲) الکہف، ۱۸: ۷۰

کر آدابِ زندگانی سیکھنے کا بہت بڑا اسبق پنہاں ہے۔ وہ یہ کہ قائد جو کرتا ہے اس سے تربیت حاصل کرے۔ ابھی اپنی عقل استعمال کرنے کا وقت نہیں آیا، ابھی قائد کی سنت دیکھنے کا وقت ہے کہ وہ مختلف معاملات کو کیسے deal کرتے ہیں اور روزمرہ درپیش مسائل و حالات پر وہ کیسا رویہ اپناتے ہیں۔ پھر جب آپ کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو قائد کی سنت کی روشنی میں اپنے فرائض نبھائیں۔

یہ بات لوحِ دماغ پر ثبت کر لینی چاہیے کہ جب سیکھنے کا وقت ہو تو سوالات کم کریں، جو قائد کی طرف سے احکام موصول ہوں اس پر عمل ضروری ہے۔ عمل کیسے کرنا ہے یہ سوال کرنا بنتا ہے۔ ایسا کرنا کیوں ضروری ہے؟ اس کی اجازت نہیں ہے۔ آج آپ کے سیکھنے کا وقت ہے، کل وقت ہو گا کہ آپ سکھائیں گے۔ اگر کوئی سیکھنے کے وقت میں سکھانے کی کوشش کرے تو وہ ساری زندگی نہیں سیکھ سکتا۔ وہ شخصیات کبھی مکمل نہیں ہوتیں اور ان میں ہمیشہ کمی رہ جاتی ہے جو سیکھنے کے وقت میں سکھانے کی کوشش کرتی ہیں۔ کیونکہ جب اُن کے اپنے سیکھنے کا وقت تھا تو وہ کچھ سننے اور سمجھنے کو تیار نہ ہوئے۔ یہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ہم ایک بڑی پیاری مثال پیش کرتے ہیں۔

آقا علیہ السلام اپنی شریعت لے کر تشریف لائے۔ اس زمانے میں یونانی تہذیب بہت عروج پر تھی اور چینی بھی تہذیب یافتہ اقوام میں شمار ہوتے تھے، یہ سب علم وفکر اور فلسفہ کے قدر دان تھے۔ پھر اللہ رب العزت نے سب سے پیارا دین اسلام اور اپنا سب سے پیارا محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ ان دونوں تہذیبوں کی بجائے ایسے طبقے میں کیوں بھیجا جو سب سے جاہل تھا؟ جن کو نہ فلسفے کی سمجھ تھی نہ کسی اور علم کی خبر تھی، جاہل اور علم وحکمت سے نابلد قوم تھی۔ کوئی خیال کرسکتا ہے کہ اگر اللہ اپنے نبی ﷺ کو یونان یا چین میں بھیجتا تو شاید وہ زیادہ قدر دان ہوتے! وہ کیا بات تھی جس وجہ سے اللہ رب العزت نے سر زمین عرب کو حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور رسالت کے لئے پسند فرمایا اُن جملہ اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ خطہ عرب کے لوگوں کے ذہنوں کی تختی کا مروجہ علم و فلسفہ اور دنیوی

تہذیبوں کے اثرات سے بالکل صاف ہونا تھا۔

اگر آپ کبھی تختی لکھیں، پھر اسے صاف کرنے کے بعد کچھ اور تحریر کرنا چاہیں تو پہلے سے لکھی ہوئی عبارت کو جتنا بھی مٹا لیں اس کے اوپر پہلے سے ثبت نقوش مکمل طور پر نہیں مٹتے بلکہ کچھ نہ کچھ قائم رہتے ہیں۔ اس لئے اگر تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی قوم میں تشریف لے جاتے جہاں پہلے بڑے بڑے فلسفی ہوئے تھے، انہوں نے تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ شریعت کو پچھلے فلسفیوں کے علم کی روشنی میں پرکھنا تھا اور خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ کوئی میرے نبی کی تعلیمات اور افکار کا دنیادار فلسفیوں کے ساتھ موازنہ کرتا پھرے۔ یہ ادب کی بات ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسے خطے میں بھیجا جن کے ذہن کی تختی بالکل صاف تھی تاکہ پہلا نقش بھی پڑے تو صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ہو۔ چنانچہ یہ آداب میں سے ہے کہ جب بھی قائد کی صحبت میں بیٹھیں تو خاموش ہو کر صرف سیکھیں، ذہن کی تختی کو صاف رکھیں، جو عطا ہوتا ہے اُسے اپنے ذہن کے اوپر نقش کرتے جائیں، اس کی سمجھ بعد میں آئے گی۔ اور یہ سبق بھی اسی واقعے سے ملتا ہے کہ سفر کی جدوجہد کے دوران قائد کی ہمراہی میں خاموشی اختیار کریں کیوں کہ جو باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمجھ نہ آ رہی تھیں جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان پر سے پردے اٹھائے تو حقیقت کچھ اور سامنے آئی۔ یہی بات قیادت کی صحبت میں ہوتی ہے۔ اپنے وقت پر ہر حقیقت کھول دی جاتی ہے، تب پتہ چلتا ہے کہ بظاہر جو نظر آ رہا تھا اس کے پس پردہ کیا حقیقت مستور تھی۔

تحریکی سفر میں کسی فیصلے پر آپ کے ذہن میں خلفشار پیدا ہوتا ہو گا، لیکن ایک مدت گزرنے کے بعد جب وجوہات سے پردے اٹھتے ہیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ یہ ہمارے حق میں بہت بہتر ہوا، اگر یہ فیصلہ نہ کیا جاتا تو تحریک کو نقصان اٹھانا پڑتا۔ یہ رہنمائی بھی ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے۔

۱۱۔ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے

اب ہم قرآن مجید کی سورۃ الکہف میں بیان کیے گئے پہلے واقعے کی طرف آتے ہیں کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں سوراخ کر دیا جس میں دونوں سفر کر رہے تھے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

فَانْطَلَقَا قفة حَتّٰی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ○ (۱)

پس دونوں چل دیے؛ یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے (تو خضر علیہ السلام نے) اس (کشتی) میں شگاف کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا آپ نے اسے اس لیے (شگاف کرکے) پھاڑ ڈالا ہے کہ آپ کشتی والوں کو غرق کر دیں؟ بے شک آپ نے بڑی عجیب بات کی○

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس نے سفر بڑا کرنا ہو وہ اپنے باطن کو شکستہ کر لے اور طبیعت میں عاجزی اور انکساری پیدا کر لے، اس نام نہاد غرور و تکبر کو چور چور کر دے جسے اللہ رب العزت ناپسند فرماتا ہے بلکہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا مطیع اور فرمانبردار کر دے کہ پھر نگاہ صرف اپنی منزل کی طرف رہے دنیوی جاہ وطلب سے ہٹ کر توجہ کا مرکز فقط منزل رہے۔

دل و دماغ اس خواہش اور خیال سے یکسر پاک اور بے نیاز رہیں کہ لوگ میری شخصیت سے کس قدر متاثر ہو رہے ہیں؛ کیونکہ یہ سب نفسانی خواہشات میں سے ہے بلکہ اس کے برعکس منزل کی طرف نگاہ رہے اور دیوانہ وار تحریک منہاج القرآن کے مصطفوی مشن کا ادنیٰ سپاہی بن کر منزل کے حصول میں کوشاں رہے۔ ہر کسی کی ایک ہی پہچان ہو کہ وہ مصطفوی مشن کا مجنوں اور سچا سپاہی ہے اور دیوانہ وار آقا علیہ السلام کے اس مشن کے فروغ

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۱

میں مصروفِ عمل ہے۔

۱۲۔ اِجتماعی سوچ کو اِنفرادی سوچ پر ترجیح دینا

اسی پہلے واقعے سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جب ایک بڑے تنظیمی کام کو انسان شروع کرتا ہے تو سب سے پہلا درس یہ ہے کہ isolation پر مبنی مزاج کو بدل ڈالیں، حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے ہمیں یہی سبق دیا، انہوں نے کشتی میں سوراخ کر کے اندرونی و بیرونی ماحول کو یکجا کر دیا۔ یہ شعبہ جاتی تنہائی ختم کرنے ایک بڑی خوبصورت مثال ہے۔

تحریکی سفر میں ہر شعبے کی جداگانہ حیثیت برقرار رکھنا کامیابی کی راہ میں پہلا بھاری پتھر ہے جسے راستے سے ہٹا دینا تحریکی سفر کا اولین تقاضا ہے۔ کیا آپ اتنے تنہائی پسند ہیں کہ اپنے شعبے کے علاوہ کسی اور شعبے کی خبر نہیں رکھتے اور آپ کے ذمے جو کام ہے صرف وہی کرنا چاہتے ہیں، کسی دوسرے شعبے کی مدد کرنا آپ ضروری خیال نہیں کرتے؟ مثال کے طور پر کسی جگہ ویمن لیگ کے لیے رفاقت سازی کا موقع بڑا سازگار ہے، آپ یہ سمجھیں کہ اگر میں نے ویمن لیگ کو اطلاع کر دی تو وہ قائد کی نظر میں مشن کے لئے زیادہ تگ و دو کرنے اور اہداف حاصل کرنے والی نظر آئیں گی، اس لئے میں اطلاع نہیں کروں گا۔ یہ غلط سوچ ہے۔ شعبہ جاتی تنہائی پسندی (departmental isolation) کو توڑ دیں۔ چنانچہ اگر کسی جگہ یوتھ لیگ کی کامیابی کے زیادہ امکانات نظر آئیں اور وہ وہاں سے بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہوں تو ان کو فوری اطلاع کریں۔ اسی طرح اگر کسی جگہ رفیق بنانے کا موقع بڑا سازگار ہے لیکن آپ سوچیں کہ یہ کام تو تنظیمات کا ہے ویلفیئر کا نہیں ہے، میں ہی ان کو رفیق بنا لیتا ہوں تا کہ یہ کام بھی میرے کھاتے میں آ جائے وغیرہ، یہ درست بات نہیں۔ Departmental isolation کو ختم کر کے ایک دوسرے کی مدد کریں، کیوں کے نتیجتاً اس کا سارا فائدہ مشن کے اس بڑے

جسد کو ہے جس کے لئے ہر شعبے نے مل کے اپنا فائدہ وہاں پر جمع کرنا ہے۔ مثال کے طور پر شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں۔ اگر ہر مکھی پھلوں اور پھولوں سے چوسے ہوئے رس کو اپنی ملکیت سمجھ کر چھتے میں اس رس کو جمع نہ کرے تو وہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ فائدہ تب ہوگا جب تمام شہد کی مکھیوں کا لایا ہوا رس اُس ایک مقام پر جمع ہو جائے گا جو مرکز ہے، تبھی باعثِ شفا شہد بن سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی میں سوراخ کرنے کے عمل سے تحریکی زندگی میں isolation ختم کرنے کا درس ملتا ہے۔

۱۳۔ تحریک سے غداری نا قابلِ معافی جرم ہے

اس سفر میں دوسرا واقعہ عجیب تر ہے جب حضرت خضر علیہ السلام نے ایک معصوم بچے کو بظاہر بلا وجہ قتل کر دیا۔ اس کی حقیقت حضرت خضر علیہ السلام نے بعد میں بیان کی کہ اس بچے کے والدین نیک تھے لیکن اس نے بڑے ہو کر نہ صرف کافر ہو جانا تھا بلکہ والدین کو بھی سرکشی اور کفر میں مبتلا کرنے کا باعث بن جانا تھا، اس لئے میں نے اسے قتل کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جگہ انہیں نعم البدل عطا فرما دے۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ○[1]

پھر وہ دونوں چل دیے یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر علیہ السلام نے) اسے قتل کر ڈالا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا آپ نے بے گناہ جان کو بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے قتل کر دیا ہے؟ بے شک آپ نے بڑا ہی سخت کام کیا ہے ○

اس کی بھی کئی شروحات کی جا سکتی ہیں، لیکن اجتماعی تحریکی زندگی کے حوالے

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۴

سے ایک یہ کہ وہ بچہ درحقیقت تحریکی زندگی کے اندر آپ کا وہ بھائی اور ساتھی ہے، جو دیکھنے میں آپ کے ساتھ ہے لیکن نظریات وفکری حوالے سے تحریک کا باغی اور دشمن ہے اور اگر کسی کی نگاہ پر اس کی دشمنی کھلتی ہے اور وہ اپنی دوستی کی وجہ سے اس پر پردہ ڈالے رکھتا ہے اور تحریک سے اس کے اخراج کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں کرتا یعنی وہ اس بچے کا قتل نہیں کرتا تو درحقیقت تحریک اور مشن کو نقصان پہنچانے میں وہ بھی ذمہ دار ہے۔ اور اگر وہ اس بچے کا قتل یعنی تحریک کے خلاف درپردہ اس کے مذموم ارادوں کو کچل کے کرتا ہے تو اللہ رب العزت اس کا نعم البدل تحریک کو عطا فرمائے گا مثلاً کوئی شخص درپردہ تحریک کے بارے میں منفی جذبات اور عمل رکھتا ہے لیکن وقتی ضرورت سمجھتے ہوئے آپ اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ سوچتے ہیں کہ اگر اس وقت اس سے کام نہ لیا تو کس سے لیں گے؟ یہاں قرآن پاک رہنمائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر مذموم ارادوں کا بروقت قتل کیا جائے تو اللہ رب العزت اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ایسی برائی پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا جو بدنامی، نقصان، بغاوت اور مشن دشمنی کے مترادف ہو۔ اس کے برعکس کسی حد تک نااہلی پر سمجھوتا ہوسکتا ہے، ایسے شخص کو موقع دیں تا کہ وہ اپنی کارکردگی بہتر کر سکے لیکن جو دل میں تحریک کا دشمن ہو اور اپنے مفادات کو مقدم جان کر تحریک کے مفادات کو پس پشت ڈالے اس کے مذموم ارادوں کا قتل ہی بہتر ہے تا کہ اللہ رب العزت اس کی جگہ پر بہتر قیادت اور نعم البدل عطا فرمائے۔ یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات کوئی عہدیدار کسی تحریک یا تنظیم سے اچانک نکل کر اسے بڑا نقصان پہنچا دیتا ہے جس کا ازالہ بسا اوقات بڑا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے باغی کارکن کو اگر بروقت تنظیم سے نکال دیا جاتا تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔ چنانچہ تحریکی زندگی کے لئے یہ رہنمائی انتہائی اہمیت کی حامل ہے جو ہمیں اس مقام پر قرآن حکیم سے حاصل ہوئی ہے۔

۱۴۔ ردّعمل کا شکار نہ ہوں

تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں پر رہنے والوں نے

آپ کی مہمان نوازی نہیں کی۔ اگرچہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا، لیکن اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے وہاں ایک گرتی ہوئی دیوار کی تعمیرِ نو کر دی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا گیا:

فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ط قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ (۱)

پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی والوں کے پاس آپہنچے، دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا، پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو (خضر علیہ السلام نے) اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس (تعمیر) پر مزدوری لے لیتے ○

اس سے ہمیں تحریکی زندگی میں یہ اہم سبق ملتا ہے کہ اگر اپنی زندگی کے معاملات اور امور کو دوسروں کے برتاؤ پر منحصر نہ کریں وگرنہ زندگی بھر کچھ نہیں کر سکیں گے۔

جو کام مشن کے لئے یا تحریکی زندگی میں آپ نے کرنا ہے وہ کریں، چاہے دوسرا بہتر سلوک رکھے یا نہ رکھے مثلاً اگر کسی شعبے کے انچارج کا طرزِ عمل اور حسن سلوک آپ سے اچھا نہیں ہے لیکن اس شعبے کا کوئی کام آپ کو ایسا نظر آیا ہے جس سے تحریک کو فائدہ ہے اور آپ سوچیں کہ جب تک وہ انچارج اوپر بیٹھا ہے جو آپ کی نظر میں اچھا نہیں میں اس شعبے کی کوئی مدد نہیں کروں گا، تو یہ آپ تحریک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ قرآن حکیم یہاں یہ سبق دیتا ہے کہ گاؤں والوں کا برتاؤ جیسا بھی تھا ان کے برے سلوک کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انہوں نے اپنا نیک کام سرانجام دیا۔

(۱) الکہف، ۱۸:۷۷

چنانچہ آپ کبھی بھی کسی کے برتاؤ پر اپنے کاموں کو منحصر نہ کریں۔ اپنے مشن، اپنے کام، اپنے نظریات، اپنی سوچ کو ہمیشہ الگ رکھیں۔ کسی کے روّیے کو اپنے روّیے پر اثر انداز نہ ہونے دیں مثلاً اس نے رویہ برا کیا تو آپ نے بھی اپنا رویہ برا کر لیا، اس نے رویہ اچھا کیا تو آپ نے بھی اپنا رویہ اچھا کر لیا، اس طرح تو حقیقت میں وہ شخص آپ کو کنڑول کر رہا ہے اور آپ اس کی غلامی میں آ چکے ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کو کنڑول نہ کرے تو پھر یہ نقطہ نظر ہونا چاہیے کہ وہ رویہ برا کرے تب بھی آپ پر فرق نہ پڑے، وہ رویہ اچھا کرے تب بھی آپ پر فرق نہ پڑے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ اگر ایسی ذات کو تم خدا مانتے ہو تو میں ایسے خدا سے بیزار ہوں کہ جس کی رحمت میرے اعمال پر منحصر ہو کہ میں اس کی عبادت نہ کروں تو وہ میری پرورش بند کر دے، حالانکہ خدا نے جو کرنا ہے وہ کرتا رہتا ہے، اس کا کرم میرے اعمال کا محتاج نہیں ہے، میں حقیقتاً خدا کا محتاج ہوں۔ آپ اپنی زندگی کے اندر کبھی کسی کو اپنی ذات کو کنٹرول نہ کرنے دیں کسی کو اپنے رویے پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔ خواہ کوئی لاکھ گالی نکالے، اگر کوئی شخص چاہے کہ آپ اسے گالی نکالیں تو وہ آپ کو گالی نکالے گا آپ اسے جواب میں گالی نکالیں گے تو اس نے اپنی خواہش پوری کر لی۔ اسی طرح ردعمل کے حوالے سے بات سمجھنے کی حد تک دوسری مثال یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص مرنا چاہتا ہے لیکن وہ خودکشی نہیں کر سکتا کہ خودکشی حرام ہے یا وہ حوصلہ نہیں کر پاتا تو وہ آپ کے بازو پہ گولی مار دے گا آپ جواب میں اس کے سینے پر گولی مار دیں گے، اس طرح دراصل وہ شخص آپ کو کنٹرول کر رہا ہے۔ یہ تو غلامی کی علامت ہے، اس لئے کسی کے رویے کو اپنی ذات پر کبھی اثر انداز نہ ہونے دیں۔

آپ اچھا کام کرنے کے لئے آئے ہیں تو ہر حال میں اچھا ہی کرتے رہیں اور کسی کے رویے کے حساب سے چلیں گے تو پھر یہ قرآن اور دین کی روح کے خلاف ہوگا۔ ہمیشہ ذہن میں رکھا کریں کہ کسی کو اپنی ذات کا کنٹرول نہ کرنے دیں۔ بدقسمتی سے

یہی موجودہ دہشت گردی کا سب سے بڑا سبب ہے کہ مسلم اُمہ نے (الا ما شاء اللہ) اپنا طرزِ عمل ناانصافی، ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے ردِعمل میں اختیار کر لیا ہے، قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کی تعلیمات کو بھول گئے ہیں۔

۱۵۔ بد دیانتی اور خیانت ایک مہلک مرض ہے

اِسی تیسرے واقعہ میں جس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا گیا:

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ○ (۱)

پھر ہم نے انہیں اٹھا دیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون اس (مدّت) کو صحیح شمار کرنے والا ہے جو وہ (غار میں) ٹھہرے رہے ○

ایک قیمتی سبق یہ بھی ملتا ہے کہ مالی تعاون اور پیسہ جو مشن کی امانت ہے، اس پر کسی کی نظر نہ اٹھے یہ بہت بڑی خیانت ہے۔ اس مال پر صرف تحریک کا حق ہے۔

نفس اور شیطان کا یہ حملہ بڑا عجیب تر ہے کہ زندگی میں انسان ایک لاکھ اچھے کام کرتا ہے اور لاکھوں روپے کا لین دین نہایت ایمان داری سے نبھاتا ہے لیکن پھر ایک حقیر رقم کی خاطر بدنیت ہو کر خیانت کا مرتکب ہو جاتا ہے، اس سے انسان کی ساری زندگی کی اخلاص والی محنت اکارت چلی جاتی ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، جب وہ دنیا سے جائے گا، تب اسے علم ہو گا کہ وہ ساری زندگی کچھ کام بھی نہ کر سکا اس نے تو ساری محنت آخرت میں پہنچنے سے پہلے ہی ضائع کر دی۔

حاصلِ کلام

حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے ہم نے اپنی تنظیمی اور تحریکی زندگی کے لئے مختلف

(۱) الکہف، ۱۸:۱۲

اسباق حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مضمون ختم کرنے سے پہلے ساری تحریر کا حاصل بیان کرنا چاہوں تو وہ یہ ہے کہ

۱۔ جب بھی تحریکی زندگی میں کوئی achi evem ent ہو اس کی نسبت ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور تحریک کی طرف کریں۔ اس سے آپ کو استغنائے نفس جیسی عظیم نعمت حاصل ہوگی جو آپ کی تحریکی زندگی میں استقامت کا باعث بنے گی اور اس کے باعث شیطان بھی زیادہ حملہ آور نہیں ہو سکے گا۔ اس کے لئے بہتر ہے کہ ہمیشہ اپنی توجہ مشن کی برکات کی طرف رکھیں نہ کہ اپنی صلاحیت کی طرف، اگر کسی کے پاس صلاحیت ہے تو اسے خدا کی نعمت سمجھیں، لیکن توجہ مشن کی برکات کی طرف رکھیں۔

۲۔ جب کسی بڑے مشن اور منزل کی خاطر تحریکی سفر پر روانہ ہوں تو پھر اس میں تھکاوٹ کے احساس کو اپنے آپ سے دور رکھیں۔ عظیم منزل کے حصول کے لئے بلند ہمتی اور پختہ عزم کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک منزل نہیں مل جاتی زندگی کی سانس ٹوٹے تو ٹوٹے یہ سفر نہ چھوٹے۔ یہ خیال کبھی دل میں نہ آئے کہ میں نے اتنے سال کام کر کے حق ادا کر دیا ہے بلکہ یہ عزم رکھے کہ اگر اتنا کام کیا ہے تو کیا ہوا جتنی زندگی باقی ہے یہ تحریکی جدوجہد جاری رہے گی، کیونکہ اگر جیتے جی تگ و دو چھوڑ دیں گے تو لکھا جائے گا کہ فلاں نے اتنا کام کیا اور پھر چھوڑ دیا اور اگر مرتے دم تک کام جاری رکھیں گے تو جب بھی منزل ملی آپ کا نام ان لوگوں کی فہرست میں لکھا جائے گا جنہوں نے ہمیشہ دین کی خدمت کی اور بالآخر کامیاب و کامران ٹھہرے۔

۳۔ جب بھی قیادت کے ساتھ ہم سفر ہوں تو مایوسی کو کبھی اپنے قریب نہ آنے دیں۔ اپنے عزم کو ہمیشہ توانا، جوان اور سلامت رکھیں، بلند حوصلگی سے حالات کا مقابلہ کریں۔ قیادت اور مشن کے ہمیشہ وفادار اور خدمت گزار رہیں۔ اسی طرح قائدین

تحریک کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کو تحریک و مشن کے خادمین سمجھیں۔ کارکنوں کے مسائل اور پریشانیوں کو حل کر کے ان کے دلوں کی آزاری کو دور کرنے میں کوشاں رہیں۔ یاد رکھیں! میدان عمل میں مصروف لاکھوں کارکن ہی کسی تحریک کی اصل طاقت و سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر مرکز میں بیٹھے عہدیداروں کا رویہ ان کے ساتھ آج کل کی جمہوری حکومتوں کی طرح حاکمانہ، ظالمانہ، جابرانہ اور ناانصافی پر مبنی ہو گا تو اس سے ہماری منزل بہت دور ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر یہ انقلابی سوچ پیدا ہو جائے کہ مرکز کو دراصل کارکن ہی چلاتے ہیں تو یہ ایک مختلف اور اعلیٰ ترین حقیقت پسندانہ approach ہے جس کے باعث ان کے مسائل کو حل کرنے، ان کو وقت دینے اور ان کے مسائل کو سننے کا نظریہ بھی بدل جائے گا۔

۴۔ Departmental isolation کو ختم کریں۔ آپس میں مربوط ہو کر کام کریں یعنی بالکل inter-linked ہو جائیں اور جہاں جس ڈیپارٹمنٹ کے متعلق جو کام نظر آئے اس کو مطلع کریں تاکہ تحریک کو اس کا فائدہ پہنچ سکے اور ایک خاص بات یہ ہے کہ آپس میں مقابلہ نہ کیا کریں مثلاً ویمن لیگ نے یہ کیا، لاہور کی تنظیم یہ کر رہی ہے، فلاں تنظیم یہ کر رہی ہے، مقابلہ دوسری جماعتوں کے ساتھ کریں کہ دوسری جماعت کی ویمن لیگ نے یہ کیا اور ہم نے یہ کیا، دوسری جماعت کی لاہور کی تنظیم نے یہ کیا اور ہم نے یہ کیا۔ اگر فیصل آباد کی تنظیم اور لاہور کی تنظیم کے درمیان یا لاہور کی تنظیم اور مرکز کی تنظیم کے درمیان باہم مقابلہ بازی رہے گی تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا بلکہ الٹا اس سے آپس میں حسد پیدا ہو گا اور دلوں میں نفرت جنم لے گی۔ امت مسلمہ نے یہی تو کیا، دیگر امم اور دیگر قوموں کے ساتھ مقابلہ کرنا چھوڑ کے آپس میں ہی لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور یہی ان کے زوال کا باعث بنا۔ جب آپس کا جھگڑا ختم کر کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مقابلے کی فضا رکھیں گے تو پھر بہتری اور ترقی نظر آئے گی۔

۵۔ جہاں پر برائی اور مشن کے ساتھ بغاوت کے آثار دیکھیں اس کا کھلے طریقے سے اظہار کر دیں تاکہ بروقت ان کی سرکوبی اور تدارک کیا جا سکے۔ اس موقع پر اگر خاموش رہیں گے تو خدا کی نظر میں آپ بھی مجرم قرار پائیں گے کہ کچھ کیا بھی نہیں اور خدا کی نظر میں مجرم بھی ٹھہر گئے۔ یہ اس وجہ سے کہ آپ کی خاموشی سے تحریک اور اس کے مشن کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔

٦۔ آخری پہلو یہ ہے کہ ہمیشہ جہاں دین کی خدمت ہوتی ہے وہاں لاکھوں مواقع ایسے آتے ہیں کہ جب نفس اور شیطان انسان کو خیانت کی طرف اکساتے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیے کہ یہ سوچ سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اگر ہم ناکام ہونے والی تحریکوں کا ناقدانہ جائزہ لیں تو ان کی ناکامی کی دیگر وجوہ میں ایک بڑی وجہ خیانت کا عمل تھا جس کے باعث انہیں وہ عوامی پذیرائی اور اعتماد حاصل نہ ہو سکا جو ان کی کامیابی کا باعث بنتا۔ بلاشبہ خیانت ایک مہلک مرض ہے جس سے ہر لمحہ باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔

باب سوُم

تنظیمی اُمور میں باہمی تعاوُن کی ناگزیریت

کسی بھی کام یاب و کامران تحریک کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے تنظیمی نیٹ ورک میں caring اور sharing کا رویہ (attitude) کس حد تک اور کس قدر کارفرما ہے۔

Caring & sharing سے کیا مراد ہے؟ درحقیقت یہ دو کام ہیں، پہلا کام دوسرے کام کا موجب بنتا ہے۔ پہلے caring ہے، پھر sharing ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ان دونوں کو ملائیں تو organizational success حاصل ہوتی ہے۔ یہ اصطلاحات administrative زبان کی ہیں لیکن ان کی حیثیت محض کتابی نہیں ہے بلکہ سراسر practical ہے۔ ان کا عمل زندگی میں نظر آنا چاہیے کیونکہ اگر عمل نظر نہ آئے اور اس کے نتائج پیدا نہ ہوں تو وہ محض وقت کا ضیاع ہے۔ بار بار ان اُمور کی تذکیر بھی اِسی لیے کروائی جاتی ہے کہ ہماری زندگی اور کلچر میں پائی جانے والی خامیاں دور ہوں اور ہم واپس صحیح راستے پر آجائیں۔ آج specialization کا زمانہ ہے اور شعبہ جاتی خودمختاری (departmental atonomy) کا دور ہے تاکہ تمام شعبے (departments) زیادہ بہتر طور پر اپنے مقاصد حاصل کرسکیں۔ شعبہ جات میں specialization کیوں ضروری ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر کام کے لئے ایک مخصوص طریقہ کار ہے اس لئے ہر شعبہ خاص کام کے لئے مختص ہے تاکہ اس شعبہ میں کام کرنے والے اپنے شعبہ سے متعلق تمام پہلوؤں پر کامل دسترس رکھتے ہوئے ایسے تمام ممکنہ فوائد حاصل کرسکیں جن کا حصول عمومی علم رکھنے والوں کے لئے ممکن نہ ہو؛ مثلاً کوئی شعبہ انتظامی طریقہ کار کو دیکھتا ہے اور کوئی شعبہ تنظیمات کو اور کوئی شعبہ تربیت کو دیکھتا ہے تو کوئی شعبہ دروس قرآن کے معاملے کو، اسی طرح کوئی شعبہ پریس اور پبلی کیشنز کو دیکھتا ہے تو کوئی ریکارڈنگ اور دیگر چیزوں کو۔ یہی

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

معاملہ فنانس کے شعبے کا ہے یعنی ہر ہر چیز کی specialization تو دی ہے کہ آج کی ضرورت ہے لیکن اس سے ایک غلط فہمی نے جنم لیا ہے، ہم نے اپنی کامیابی کے لئے specialization کے فارمولے کو آدھا سمجھا ہے۔ شعبہ جات کو specialization دے کر آگے کرنا کیا ہے؟ یہ سب سے اہم سوال ہے یعنی شعبوں کو specialization تو مل گئی۔ اس کے بعد اگلا عمل اور اگلا درجہ کیا ہے؟ اس کی طرف مناسب توجہ نہیں دی گئی۔

ا۔ باہمی رابطے کی اَہمیت

اگلا درجہ coordination ہے۔ اگر شعبہ جات specialize ہو جائیں اور ان کے درمیان باہمی ربط موجود نہ ہو تو ایسی شعبہ جاتی specialization بھی بے کار ہے کیونکہ شعبہ جات کے درمیان اگر coordination نہیں پائی جاتی اور اس کے برعکس communication، coordination اور caring & sharing جیسے اہم امور کا فقدان ہے تو اس specialization کا آرگنائزیشن کو کوئی فائدہ نہیں۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ اگر مخصوص شعبہ جات کے درمیان coordination کا فقدان ہو تو آپ اپنے گھر میں بیٹھ کر روٹی بھی نہیں کھا سکتے مثلاً کسان گندم اگاتا ہے تو مِل اسے process کرتی ہے، ان دونوں چیزوں کے الگ الگ depratments ہیں پھر تیسرا distributional chanal ہے، یہ distribution مِل کے پاس نہیں ہے۔ یہ تینوں الگ الگ کام ہیں، کسان نے گندم اگائی، مِل نے اسے process کیا، distributor نے اسے دکانوں تک پہنچایا اور پھر retailer نے آٹے کو گھروں تک پہنچایا۔ یہ چاروں شعبے اپنے اپنے کام کے اندر specialized ہیں۔ اگر اب ان چاروں departments کے اندر coordination اور caring & sharing کا کلچر نہیں ہوگا تو آپ کبھی گھر میں بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے۔ اگر کسان کہے کہ میں نے اپنا کام کر لیا اور وہ دوسرے ڈپارٹمنٹ کی مدد کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرے اور کہے کہ نہیں میں اپنی مرضی سے گندم دوں گا تو اس کو مِل process کیسے کرے گی اگر مِل process کر

لے اور distributor کہے کہ میں اس سے سامان اپنی مرضی سے اٹھاؤں گا تو وہ retailor تک کیسے آئے گا۔ اگر retailors کہیں کہ سامان آ گیا، ہم دو ماہ بعد بیچیں گے اور ذخیرہ اندوزی کر لیتے ہیں تو گھروں تک بروقت سامان کیسے پہنچے گا! یعنی ہر specialized department کے درمیان coordination اور caring و sharing کا پایا جانا اشد ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی ڈپارٹمنٹ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اور سب کچھ رائیگاں چلا جاتا ہے۔

۲۔ کیئرنگ اینڈ شیئرنگ کی اہمیت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریک منہاج القرآن میں caring اور sharing سے کیا مراد ہے؟ جب لوگ departmental environment اور organizational environment میں کام کر رہے ہوتے ہیں تو out of the way بھی ایک دوسرے کی مدد کرنا ہی caring اور sharing کہلاتا ہے یعنی تحریکی جدوجہد کے دوران میں مختلف شعبہ جات مثالی رویہ اپناتے ہوئے کام کے علاوہ مختلف امور میں دوسرے شعبہ جات کی مدد کریں اور ہاتھ بٹائیں تاکہ تحریکی جدوجہد کے مطلوبہ مقاصد بروقت حاصل ہوسکیں تو یہ عمل caring اور sharing کہلاتا ہے۔

آپ تو درحقیقت ایک ایسی تحریک کے نمائندہ ہیں، جو اسلام کا صحیح تشخص اجاگر کر رہی ہے اور اسلام کا حقیقی پیغام دنیا میں پہنچا رہی ہے۔ یہ وہ تحریک ہے جو پاکستان اور پوری دنیا میں حقیقی تبدیلی کی بات کرتی ہے۔ اسی نام پر ویلفیئر کے شعبے بنائے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی اور اگر organization کے اندر ہی ایک ڈپارٹمنٹ دوسرے کی مدد کرنا ضروری خیال نہ کرے یا اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے میں کترائے اور شرم محسوس ہو تو پھر باہر نکل کر ایک عام آدمی کی کوئی کیسے مدد کرے گا!

یہ تحریک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے مصروفِ عمل ہے، اس

تحریک میں کام کرنے والے ہر شخص کی نیت بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر چلنے والی تحریک کے اندر کام کسی مادی مفاد کی وجہ سے کرتا ہے تو وہ غلط کرتا ہے کیونکہ اس تحریک کی منزل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء پر لایا ہوا انقلاب ہے۔ اس کی بنیاد آقا ﷺ کی تعلیمات ہیں، ان سے ہٹ کر اگر تحریک کے اندر ایسا کوئی کلچر پایا جائے جس میں ایک دوسرے کی مدد کو محض رپورٹس اور کاغذوں میں آنے والی تحریر سے تولا جائے تو یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء کی منافی ہے، قائد اور قیادت کی منشاء کے خلاف ہے۔

ہماری قیادت نے تو ساری زندگی یہ عمل نہیں کیا۔ ہر بڑی سے بڑی آپشن اور پوزیشن کو ٹھکراتے رہے، فقط اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے زندگی گزاری، دنیا کو کسی خاطر میں نہیں لائے، دنیا کے آلام و مصائب کا جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کو بیچا نہیں۔ لہٰذا ان کی قائم کردہ اس تحریک میں اور ان کے لگائے ہوئے اس پودے میں ایسے پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں جو مادیت کی ترغیب دیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے اس قسم کی بات کر دینا کہ ہر کوئی اپنا اپنا کام کرے، تحریک میں فتنے کا بیج بونے کے مترادف ہے۔ ایسا کام تو دنیوی تنظیمات میں بھی کوئی نہیں کرتا، وہ بھی ایک مربوط نظام کے تحت کام کرتی ہیں اور ان کے سب شعبہ جات ایک دوسرے کی مدد کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ پھر اس قسم کا کلچر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر چلنے والی تحریک میں کیونکر ہو سکتا ہے۔

۳۔ کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا

بنی نوع انسان کا یہ عمومی رویہ رہا ہے کہ وہ ہدایت کی طرف کم ہی مائل ہوتی ہے۔ دعوت دینے والے کے لئے بڑا حوصلہ، صبر اور حلم درکار ہے۔ دعوتِ حق کی اس راہ کی مشکلات کو دیکھ کر کم حوصلہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں ہم تو ہدایت کی راہ کی دعوت دیتے ہیں لیکن کوئی اس کا خریدار ہی نہیں۔ یاد رکھیں! تحریکوں کی جدوجہد میں ایسی سوچ اور

ایسا رویہ کبھی نہیں پنپ سکتا کہ لوگ آپ کی دعوت کے انتظار میں کھڑے ہوں کہ جوں ہی آپ انہیں دعوت دیں تو وہ لبیک کہتے ہوئے آپ سے آملیں۔ انقلابی جدوجہد تو داعی سے اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ تمام تر صلاحیتیں، کوششیں اور وسائل بروئے کار لاکر کامل اخلاص اور یقین سے لوگوں کو راہ حق کی دعوت دی جائے اور نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کوشش کی جائے اور وہ بے ثمر رہے، یقیناً کوشش ضرور رنگ لاتی ہیں۔ آقا ﷺ نے بھی حق کی دعوت کے لئے آواز بلند کی تھی۔ بظاہر حالات اس قدر نا مساعد تھے کہ کوئی ہدایت جیسی عظیم نعمت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کی کوششیں و کاوشیں اور مساعی ہائے جمیلہ کس قدر نگ لائیں، آج ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا وجود اس کا بین ثبوت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قدمین شریفین کے طفیل حضرت شیخ الاسلام کا پیغام کتنا رنگ دکھا رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے حالانکہ ابتداء میں تو آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے اس قدر نہ تھے۔ چنانچہ ہمیں اپنی جدوجہد کو اس بنا پر روک نہیں دینا چاہیے کہ ابھی دعوت کے حالات سازگار نہیں اور نہ ہی اپنے کام کو اس ترازو میں تولنا چاہیے کہ ہمارا کام کسی پیپر پر آئے گا یا نہیں حالانکہ ایک حقیقی داعی ان سب خواہشوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کے لئے اس سے بڑی اور کیا خوش بختی ہوسکتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس کا نام حق کی دعوت دینے والوں کی فہرست میں درج ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کی راہ میں کی جانے والی کوئی بھی کوشش رائیگاں نہیں جاتی۔

آقا ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا جانوروں کی مدد کرنے والی ایک خاتون بھی جنت میں گئی۔ آقا ﷺ کی بارگاہ میں سوال کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ جانوروں کی مدد کرنے سے بھی کوئی جنت میں جاتا ہے؟ آقا ﷺ نے فرمایا: ہاں ہر وہ چیز جو جاندار ہے دنیا میں اس کی مدد کرو گے تو تمہارا اجر رائیگاں نہیں جائے گا، تمہارے نامہ اعمال میں ضرور لکھا جائے گا۔

ہمیں تو جانوروں کی مدد کرنے کی تلقین ہو رہی ہے۔ جس مرکز کے اندر ایک قیادت کے پرچم کے نیچے ہم جمع ہیں وہاں پر اگر ایک تحریکی بھائی دوسرے بھائی کی مدد نہیں کرے گا اور ہر کوئی specialization کے غلط معنی اوڑھ کر اپنے اپنے خول میں بند رہے گا تو قومی سطح پر ایک ہمہ گیر انقلاب کیسے آ سکتا ہے؟ اس لئے ہمیں اپنے اس کلچر کو بدلنا ہوگا کیونکہ آج کسی بھی organization کی کامیابی sharing & caring میں مضمر ہے۔

۴۔ باہمی روابط: ایک تحریکی ضرورت

کارکنان اپنے department پر ضرور توجہ دیں، اسے develop کریں اور اَحسن انداز میں چلائیں تاکہ بہتر نتائج پیدا ہوں۔ اس میں دو اُمور قابل غور ہیں: ایک اگر دوسرے شعبے کے کسی فرد یا کسی دوسرے شعبے کو آپ کی ضرورت ہے اور آپ کے پاس گنجائش ہے تو بہرطور اس کی مدد کریں اور دوسری طرف ان کی ذمہ داری ہے کہ اگر کسی شعبے یا اپنے کسی ساتھی سے انہوں نے مدد لی ہے تو اس کا ایمانداری کے ساتھ اپنے کام کی رپورٹ میں اظہار کریں، یہ دو طرفہ معاملہ ہے۔ کوئی کام کر رہے ہوں، پیپر لکھ رہے ہوں یا کوئی بھی انتظامی معاملہ ہو تو اس حوالے سے آپ کسی بھی فلاسفر، رائٹر یا اسکالر سے مدد لیں یا ان کی کتابوں سے مدد لیں تو ہر کوئی ان کا حوالہ دیتا ہے۔ اگر کوئی یہ حوالہ نہیں دیتا تو اسے ادبی سرقہ کہا جاتا ہے اور اس پر کیس چل سکتا ہے۔ اسی طرح اگر آرگنائزیشنل کلچر میں کوئی out of the way مدد کرے اور بے شک وہ آپ کے ڈیپارٹمنٹ کا نہیں بھی ہے تو اس کی قدر شناسی (appreciation) ہونی چاہیے اور آپ اپنی رپورٹ میں اس کا برملا اِظہار کیا کریں کہ فلاں آدمی نے out of the way جاکر اس کام میں میری مدد کی۔ اس سے کسی کی عزت کم نہیں ہوتی بلکہ یہ کشادہ دلی آپ کے وقار کو مزید بلند کرے گی، اگر آپ کھلے دل سے دوسروں کی مدد کا اعتراف کریں گے تو آپ کے اس مثبت رویے سے دوسرے departments میں بھی یہ کلچر فروغ پائے گا۔ اسی طرح اونچ نیچ، چھوٹی موٹی باتیں شعبہ جات کے درمیان معمول کا حصہ ہے۔ اگر آپ organizational culture

کے اندر بیٹھ کر اس قسم کی بات سوچیں گے کہ فلاں وقت پر اس آدمی نے یا اس department نے ہمیں مشکل میں ڈالا آئندہ ہمارا رویہ بھی ان سے ایسا ہی ہوگا تو یہ درست بات نہیں ہوگی۔ آپ اپنی اس organizational life کی ہر ہر چیز کو اخلاقیات کے اسی ترازو پر پرکھا کریں جس کا اسلام نے درس دیا ہے، اگر کوئی آپ کے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے تو جواب میں آپ اس کے ساتھ برائی کیسے کر سکتے ہیں؟ اسلام اس چیز کی تبلیغ نہیں کرتا۔ اسی طرح کسی ایک department نے آپ کو کسی مشکل میں ڈالا تو جواباً آپ نے بھی اس کو اتنی ہی مشکل میں ڈال دیا، اس organization میں کام کرنے والے لوگوں اور ساتھیوں کا معاملہ اور انداز یہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ سوچ یہ ہونی چاہئے کہ انہوں نے اگر ایسا بُرا برتاؤ کیا بھی ہے تو ہم جواب میں ایسا نہیں کریں گے مثلاً اگر کسی ایک شعبے کا دوسرے شعبے کو کوئی مراسلہ جاتا ہے اور وہ شعبہ اس مراسلے کا فی الفور جواب نہیں لکھتا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے شعبے سے متعلق نہیں اور نہ ہی ہمارے شعبے کا یہ کام ہے تو یہ پوری تحریک اور organization کے ساتھ خیانت ہے، یہ کسی ایک شعبے کا معاملہ نہیں کیونکہ وہ شعبہ کسی کا ذاتی گھر نہیں ہے وہ شعبہ تحریک منہاج القرآن کا ہے اور کوئی ایک شعبہ دوسرے شعبے کے ساتھ یا کوئی ایک کام کرنے والا دوسرے کام کرنے والے کے ساتھ ایسا رویہ رکھے گا تو وہ کسی ایک شعبے یا ذات کے ساتھ نہیں بلکہ پوری تحریک منہاج القرآن کے لئے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ وہ تحریک منہاج القرآن کے کام کو خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو بے جا نہ ہوگا اور اس قسم کے کام اور سوچ کو صرف نظر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر کوئی ایسی چیز سامنے آئے تو ان پر سختی ہونی چاہیے تاکہ آئندہ کے لئے اس کا مکمل سدباب ہو سکے کیونکہ اس قسم کی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے تحریک اور مرکز کے پورے کام کو متاثر کیا جانا درحقیقت سنگین جرم ہے۔

۵۔ ذاتی ترغیبات کی نفی

خودغرضی و مفاد پرستی نے ذاتی ترغیبات کو ہمارے لیے مرغوب ترین بنا دیا

ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچتے ہیں کہ اس کے کرنے میں میرا ذاتی فائدہ کیا ہے؟ ایسی سوچ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پیغام کی تحریک کو متاثر کرتی ہے۔ ہمیں ذاتی خواہشات سے یکسر بے نیاز ہو کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کام کرنا چاہئے۔ کسی بشری تقاضے کے باعث اگر کوئی ایسی صورت آن بھی پڑتی ہے تو ہمیں تحریک کا وسیع تر مفاد دیکھنا چاہیے۔ ذاتی رنجشوں کو ہمیشہ پیچھے رکھنا چاہیے۔ تحریک منہاج القرآن یا اس کا مرکز ذاتی ترغیبات کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں پر وہی ترغیبات ہیں جو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء ہے۔ محض ذاتی رنجشوں کے باعث یہاں پر organizational culture کو نقصان پہنچانے کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یاد رہے! coordination ایک دوسرے کا image خراب کرنے یا اس کی شہرت پراگندہ کرنے کے لئے نہیں ہونی چاہیے، ایسا رویہ گناہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ آپ براہ راست کسی کی غیبت کریں یا ایسے حالات پیدا کر دیں کہ آپ کا عمل غیبت کے مترادف ہو جائے۔ جیسے زبان سے غیبت کرنا گناہ ہے، اسی طرح ایسا عمل بھی گناہ ہے جو غیبت کے مترادف ہو، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ جہاں دین کے منافی ہے وہاں organizational success کی راہ میں بھی بڑی رکاوٹ ہے۔ ہمارے پیش نظر سب سے بڑھ کر مثالی اور مشعل راہ طرزِ حیات آقا ﷺ کا ہے۔ ان کے بعد درجہ بدرجہ اہل بیت اَطہار، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اولیائے کاملین علیہم السلام آتے ہیں۔ ان کی اتباع میں ہمارے سامنے رول ماڈل ہماری top leadership ہے جن میں سرفہرست حضرت شیخ الاسلام کی ذات گرامی ہے۔

٦۔ کردار سازی کا معیار کیا ہو؟

تحریکی زندگی میں صرف اپنے قائد اور لیڈر کی تعریف کر دینے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ قائد سے محبت کا اظہار محض زبان سے کافی نہیں بلکہ رفقاء و اراکین اور وابستگان کا ہر عمل اپنے قائد کی شخصیت کا آئینہ دار ہونا چاہئے۔ کمال محبت اس چیز کی متقاضی ہے

کہ قائد کی زندگی، رہن سہن، عادات و خصائل، معاملہ فہمی غرضیکہ شخصیت کے جملہ پہلوؤں کا عکس اس کے پیروکاروں کی زندگیوں میں جھلکے۔ حق بات یہ ہے کہ حقیقی محبّ وہی ہے جسے دیکھ کر اس کا محبوب یاد آ جائے یعنی ہم اپنے قائد کی صحبت و سنگت کے رنگ میں یوں رنگ جائیں کہ اپنی بلندیِ کردار کے باعث خود حضرت شیخ الاسلام کی شناخت بن جائیں۔ اگر رنگ ساز کی دوکان پر پڑے ہوئے ننانوے کپڑے رنگ دیے جائیں لیکن کوئی ایک کپڑا نہ رنگا جائے اور وہ ویسا ہی پڑا رہے تو سمجھا جائے گا کہ وہ کپڑا اس قابل ہی نہیں تھا کہ اسے رنگا جاتا۔ یاد رکھیں! اس کپڑے کے نہ رنگے جانے پر انگلی رنگ ساز پہ نہیں بلکہ کپڑے پر اٹھتی ہے کہ یہ اس قابل ہی نہ تھا۔ اس لئے جو جو جس سنگت میں رہے اس پر واجب ہے کہ کوشش کرے جتنا رنگ چڑھ سکے چڑھا لے۔ دنیا کمانے اور دنیا جیتنے کے لئے ایک لاکھ راستے ہیں لیکن اس سے بڑا کوئی جرم نہیں کہ دین کو کسی بھی حوالے سے بیچا جائے۔ دین کو شہرت کے عوض بھی بیچا جاتا ہے، مال کے عوض بھی بیچا جاتا ہے، دین کو عہدوں کے لئے بھی بیچا جاتا ہے، دین کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے بھی بیچا جاتا ہے، یہ سب غلط ہے۔ تحریک کے ہر رکن کو ہمیشہ یہ امر پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ کہیں اس کے کسی عمل اور کسی طریقے سے دین تو نہیں بکتا؟ اگر دین بیچ دیا تو نہ دنیا میں رہنے کے قابل رہے اور نہ آخرت میں منہ دکھانے کے لائق رہے۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے، وساوس پر کسی کا کوئی کنٹرول نہیں ہے لیکن اگر وہ وساوس عمل میں تبدیل ہو جائیں تو پھر جرم بن جاتا ہے۔

۷۔ وسیع النظری میں عظمت ہے

وسیع نظری کی ضرورت ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے لیکن آج کے خودغرضانہ، مفاد پرستانہ اور نفسا نفسی کے ماحول میں اس کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ تحریکی جدوجہد میں قدم قدم پر ایثار و درگزر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عمل تو ایسا تھا کہ چھوٹی موٹی رنجشیں تو کیا ذاتی حوالے سے بڑے بڑے معاملات درمیان میں ہو جاتے تھے مگر وہ دین پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ ان کا باہمی تعاون متاثر نہیں ہوا کرتا

تھا۔ وصال کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ فرمانے لگے: ''پوری زندگی میں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، ہمیشہ دل میں یہ خواہش رہی کہ اللہ رب العزت مجھے شہادت نصیب کرے۔ آج میرا وقتِ آخر قریب ہے اور میرے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پر زخم نہ ہو لیکن میں درجۂ شہادت سے محروم رہا۔'' اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خالد! پریشان نہ ہو تمہیں اللہ رب العزت نے اپنی تلوار کہا تھا، خدا کی تلوار کیسے میدان جنگ میں ٹوٹ سکتی ہے۔'' یہ ان کی عظمت تھی جس کا اعتراف خلیفۂ وقت فرما رہے تھے۔ دوسری طرف جب انہیں شام کا گورنر بنایا گیا تو ان سے کچھ معاملات ایسے ہوئے جو خلیفۂ وقت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پسند نہ آئے۔ اس پر انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو گورنر کے منصب سے معزول کر دیا اور انہیں جواب دہی کے لئے مدینہ طیبہ لایا گیا۔ اس موقع پر جب کچھ لوگوں نے ان سے ہمدردی کرتے ہوئے اس عمل کو مناسب خیال نہ کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، بلکہ تمہیں خوشخبری ہو کہ جب تک عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی حق پر مبنی فیصلے کرنے والی مثالی خلافت اور قیادت مسلمانوں کے اندر موجود ہے مسلمانوں پر کوئی زوال نہیں آ سکتا۔ ان کا یہ عمل وسیع النظری کی عظیم مثال ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ گورنرشپ سے معزولی کے بعد جس تیز رفتاری سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام کے لئے فتوحات کیں وہ پہلے نہ تھیں۔ یہ کردار ہماری تربیت کے لئے مشعل راہ ہونا چاہیے کہ ذاتی رنجش کو وجہ جواز بنا کر اعلیٰ مقاصد کے حصول کو کبھی پس پشت نہ ڈالا جائے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اگرچہ دوبارہ گورنر نہیں بنے لیکن جس کام پر مامور تھے اس میں رفتار تیز کر دی اور اس چیز کو ہمیشہ مدنظر رکھا تاکہ کوئی انگلی نہ اٹھا سکے کہ اس واقعے کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ردعمل کے نتیجے میں تنگ نظر ہو کر سست ہو گئے۔ تحریک کے ہر رکن اور رفیق کا یہ کردار ہونا چاہیے کہ باہمی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے ان کے کردار پر ردعمل کے باعث تنگ نظری کی کوئی آنچ نہ آئے۔

ابن عساکر نے 'تاریخ دمشق الکبیر (۳۰:۱۰۷)' میں روایت کیا ہے:

ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ اختلافات ہوگئے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے معذرت کی لیکن آپ ناراض ہی رہے۔ پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گئے۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ جلال سے سرخ ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دین کے لیے خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم لوگ میرے لیے ابوبکر سے درگزر کرو گے؟

جب ہم قائد اور تحریک کے ساتھ چلتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ فلاں شخص بھی تحریک اور قائد سے وفادار اور مخلص ہے تو پھر ہمیں اس سے اس کی کسی حرکت یا عمل کے باعث ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ کارکنوں کو آپس میں وسیع النظری کے تحت درگزر کرنے کی عادت اپنانی چاہیے کیونکہ یہ واقعات سے ہمیں درگزر کرنے کی تعلیم اور درس دیتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر، اِس مشن کی خاطر اور اِس مشن کے قائد کے لیے ایک دوسرے سے درگزر کریں اور باہمی برداشت و بردباری کا رویہ اپنائیں۔

واقعہ معراج

تحریک میں اور تحریک کی خدمت میں کوئی کارکن جتنا بھی آگے بڑھ جائے، ہر مرحلے پر اپنے آپ کو ایک ورکر اور کارکن ہی سمجھے اور اللہ رب العزت کی بندگی اور عبدیت کا سب سے اونچا درجہ سمجھے۔ اس بات کی وضاحت ہم واقعہ معراج کے دو مقامات سے کرتے ہیں۔

معراج کے موقعہ پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربِ الٰہی نصیب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں پہنچے اور اللہ رب العزت اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دو کمانوں سے بھی کم

فاصلہ باقی رہ گیا تو اس مقام پر بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا مقامِ عبدیت قائم رکھا۔ آپ ﷺ کے اس مقام کی گواہی اللہ رب العزت قرآن مجید کی سورۃ النجم کی آیت نمبر ۱۰ میں یوں دی ہے:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰیo

’’پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائیo‘‘

اِس میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ کائناتِ انسانی میں کسی بھی بشر کے لیے اس سے زیادہ بلند مقام نہیں تھا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ بشریت یا اللہ کی کسی بھی خلقت اور تمام مخلوقات میں اس وقت بلند ترین مقام پر تشریف فرما تھے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ آپ ﷺ اللہ کی خلقت اور اللہ کی تخلیق میں اس لمحے بلند ترین عہدے پر تشریف فرما تھے۔ اتنے بلند اور اعلیٰ و رتبے منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی شانِ عبدیت کو ہی ملحوظ رکھا۔ جب آپ ﷺ اس بلند ترین مقام پر تشریف فرما تھے تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر اپنی نگاہ فرمائی اور آپ ﷺ کے دل کی کیفیت پر یہ گواہی دے دی کہ اس مقام پر بیٹھے ہوئے بھی آپ عبد ہی تھے۔

انسان ترقی کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی قربت میں، اپنے قائد اور شیخ کی قربتوں میں جتنا بھی اوپر چلا جائے اور جو بھی منزلیں طے کر لے، اُسے عبدیت اور عجز و انکساری کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ تو آخری انتہا اور سب سے بلند درجے پر تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی کمال اور معراج آپ کو عطا کیا لیکن آپ ﷺ اُس مقام پر بھی عبدیت کے مقام سے نہیں ہٹے۔ اس واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہر تحریکی کارکن اور ورکر یہ بات ذہن نشین رکھے کہ تحریکی سفر میں اس کو جو بھی عہدہ اور مرتبہ مل جائے، قائد کی جتنی بھی قربت مل جائے اس کا اصل مقام ایک کارکن کا ہی ہے اور بلند مرتبے پر پہنچ کر بھی اسے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ وہ ایک کارکن

ہے۔ یہی اس کے تحریکی سفر کی معراج ہے۔

دوسرا پہلو واقعہ معراج کا یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ملاقات ہوئی تو ملاقات کے آغاز میں اللہ رب العزت نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام ارشاد فرمایا یعنی آپ ﷺ پر اللہ کا پیار اور انعام تھا کہ خود اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت کی وجہ سے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ کے لیے خالصیت کی وجہ سے اس وقت سلام فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ.

اے نبیِ مکرم! آپ پر سلام ہو۔

اس سلام میں نہ حضور ﷺ کی اُمت شامل تھی، نہ کوئی اور مخلوق شامل تھی۔ یہ سلام خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر اللہ کا انعام تھا۔ آپ ﷺ چاہتے تو یہ انعام اپنے تک ہی محدود رکھتے لیکن آپ ﷺ نے جواب میں عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ.(1)

ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں پر بھی سلامتی ہو۔

یعنی جو تحفہ، عنایت اور کرم اللہ رب العزت کی طرف سے حضور ﷺ پر ہوا، آپ ﷺ نے فوراً اِس جواب کے ذریعے اپنے اُمتیوں اور مخلوق کو اس تحفے اور انعام و اِکرام میں شامل فرما لیا۔

اِس واقعہ میں ٹیم ورک کی طرف اشارہ ہے اور اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب کوئی انسان ترقی کرتے ہوئے منازل طے کرتا ہے، جب وہ قائد کی قربت پا جاتا ہے اور اس کو بھی پتا ہے کہ یہ اللہ کا کرم و انعام یا قائد کی طرف سے توجہ اور انعام اس کی اپنی جد و جہد اور کاوشوں کی وجہ سے ہے، اس کے باوجود اسے چاہیے کہ اس انعام میں

(1) 1۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۴۲۵:۳
۲۔ رازی، التفسیر الکبیر، ۲۰۶:۲۸

دوسروں کو بھی شامل کرے۔ جیسا کہ اللہ کا پیار اور رضا تو حضور ﷺ کے ساتھ تھی لیکن یہ جانتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس انعام میں شامل کر لیا۔ یہ بڑے پن کا اظہار ہے کہ جنہوں نے کام نہیں کیا تھا ان کو بھی اس تحفے میں شامل کیا جائے۔

یہ ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ کا فریضہ ہے کہ جب وہ کسی جگہ ہو اور اسے پتا ہے کہ زیادہ efforts اُسی نے کی ہیں اور دوسرے نے تھوڑا کام کیا ہے یا بالکل نہیں کیا، تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ یا قائد کی طرف سے ملنے والے کرم اور انعام کو اپنی ذات تک ہی محدود کرنے کی بجائے دوسروں کو بھی اس میں شامل کرے۔ اس پر بحث نہ کرے کہ اس پر صرف میرا حق ہے بلکہ اس میں اُنہیں بھی شامل کرے جنہوں نے کام نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ کو ایسا شخص پسند ہے جس کے دل میں وسعت ہو۔ اس طرح اس کے انعامات اور نوازشات میں اضافہ جات ہوتے رہتے ہیں۔

۸۔ مثالی کردار

انقلابی جدوجہد میں برسرِ پیکار کارکنوں کے سامنے ایک مثالی کردار رہوا کرتا ہے جسے سامنے رکھ کر ہر رکن اس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اَحوالِ حیات سنوارتا چلا جاتا ہے۔ تحریک منہاج القرآن کے رفقاء و وابستگان اور قائدین کے لئے رول ماڈل دنیا کے حکمران نہیں ہیں اور نہ مادّی دنیا کی تنظیمیں ہیں بلکہ ہمارا role model گنبدِ خضریٰ کے تاجدار ﷺ ہیں، پھر اَہلِ بیتِ اَطہار علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، پھر ائمہ اسلامؒ ہیں۔ انہی کی زندگی کو ہمیں رول ماڈل بنا کے چلنا چاہیے۔ انہی کی زندگی سے ہمیں تربیت حاصل کرنی چاہیے، انہوں نے کبھی اسلام پر آنچ نہ آنے دی وہ ذاتی رنجشوں کو پس پشت ڈالتے اور ہر چیز سے بالا تر ہو کر اسلام کی سر بلندی کے لئے باہمی رابطہ رکھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر جدوجہد کرتے تاکہ اسلام کو کام یابی نصیب ہو جائے۔ یہی رول ماڈل تحریک منہاج القرآن کے قائدین کے لئے بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں آپس میں مل کے کام کرنا چاہیے، coordination رکھنی چاہیے، اور ایک دوسرے کے بارے میں ذاتی رنجشیں دل

سے نکال دینی چاہیں کیونکہ یہاں اس کی کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ کی قیادت یا آپ کے مقامی قائدین با قاعدہ جمہوری طریقہ سے منتخب ہوئے ہیں۔ ان پر اعتماد ہونا چاہیے۔

اگر ان چھوٹے چھوٹے مسائل اور وساوس سے اپنا دل بوجھل رکھیں گے تو باہر کی تبدیلی کا عمل مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ باہر تبدیلی اُس وقت آتی ہے جب پہلے انسان کا اپنا من انقلاب آشنا ہو۔ محض وقتی جوش و جذبہ کافی نہیں ہوا کرتا۔ آقا ﷺ نے فرمایا:

إِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقْمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفِرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ. (١)

پانچ چیزیں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: تم اپنی جوانی کا بڑھاپے سے پہلے فائدہ اٹھا لو۔ اپنی صحت مندی کا بیماری سے پہلے فائدہ اٹھا لو، اَمارت کا غربت سے پہلے فائدہ اٹھا لو، اپنے فارغ وقت کا مصروف ہونے سے پہلے فائدہ اٹھا لو اور اپنی زندگی کا اپنی موت سے پہلے فائدہ اٹھا لو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اِسی فرمانِ رسول ﷺ کی مصداق تھیں۔ فارغ رہنا تو گویا ان پر حرام تھا۔ وہ کبھی حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں تلمذ کی منازل طے کر رہے ہوتے، کبھی دعوت و تبلیغ اور اشاعتِ اسلام میں مصروف ہوتے، کہیں وہ اللہ رب العزت کو مصلے پر رات بھر کھڑے رہ کر منا رہے ہوتے تو کبھی اللہ رب العزت کی بنائی ہوئی دنیا میں رزق تلاش کر رہے ہوتے۔

تحریک منہاج القرآن ایسی جگہ ہے جہاں سے آپ کا دنیوی رزق بھی وابستہ ہے، جہاں پر اللہ کو منانے کے اسباب بھی مہیا ہیں، جہاں پر تلمذ اور علم کی منازل طے کرنے کے اسباب بھی میسر ہیں، جہاں پر دین کی خاطر اَن تھک محنت اور جدوجہد بھی کی

---

(١) حاکم، المستدرک، ٤: ٣٤١، رقم: ٧٨٤٦

جا رہی ہے۔ یہ سب چیزیں میسر ہیں۔ کام کرنے والے موجود ہیں، تجربہ موجود ہے، قیادت ہے، پیغام ہے، سب کچھ یہاں میسر ہے۔ اس کے باوجود اگر ہم اپنے اندر تبدیلی لا نہ سکیں، شعبہ جات کو بہتر انداز میں چلا نہ سکیں، اخلاص کے ساتھ آگے نہ جا سکیں، تو اس سے بڑی محرومی کوئی نہیں۔ پھر یہ سب وقت کا ضیاع ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بھی اس کا کچھ اجر نہیں لکھا جاتا۔ ایسی زندگی بیکار ہے، یک رنگی اختیار کیے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم یا پھر سنگ ہو جا

۹۔ دنیا کو دل میں جگہ نہ دیں

ہمارا یہ عمومی روّیہ ہے کہ خود کو دین کی جدوجہد کا مجاہد بھی کہلواتے ہیں اور دل کے اندر مال و اسباب دنیا کی ہوس کا سمندر بھی موجزن رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی اپنی دنیا بھی کمائے لیکن یہاں دین کے نام پر دنیا کمانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ کسی کو دنیا ہی کمانی ہے تو حصول سیم و زر کے لئے ساری دنیا پڑی ہے اسے وہاں جانے سے کوئی نہیں روکے گا مگر دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ کے دین کی طرف آنا ہے تو گھر چلتا رہے گا، بند نہیں ہو گا لیکن چونکہ دنیا سے معمولی سی رغبت بھی آخرت سے بے توجہی پیدا کر دیتی ہے اس لئے راہ حق کے متلاشی کے پاس دین اور دنیا کبھی اکٹھے نہیں ہوتے۔

اگر ذہن میں دونوں چیزیں ایک دوسرے سے لڑتی رہیں، کبھی دنیا غالب آئے، کبھی دین غالب آئے تو انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ حضرت شیخ الاسلام کا ایک خطاب سنا تو دین غالب آ گیا، واپس گھر گئے تو تھوڑے عرصے کے بعد پھر دنیا غالب آ گئی۔ پھر کوئی موقع ملا اور کوئی خطاب سن لیا تو تھوڑی دیر کے لئے دین غالب آ گیا۔

جب اس خطاب کا نشہ ٹوٹا تو دنیا غالب آ گئی۔ یہ کشمکش انسان کو دو کشتیوں کا مسافر بنا دیتی ہے جس کا انجام سوائے حسرت کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس طرح دراصل انسان فقط خود کو دھوکہ دیتا ہے۔ دین داری تو دین کے قواعد وضوابط پرعمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ دنیاداری کے طریقے سے دین داری نہیں ہوتی۔ یہ شہرت، مال و دولت اور دنیوی عہدے خدا کی بارگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ قیامت کے دن الٹا جواب دہی، ذلت و رسوائی اور عذاب کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کے لئے اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے تو دنیا میں شہرت نہ بھی ہو، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں درجات بلند ہوتے ہیں اور انسان کو اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ منہاج القرآن مصطفوی انقلاب کی تحریک ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر اسلام کی حقیقی تعلیمات پر مبنی پیغام کو پھیلانے کی تحریک ہے۔ اس تحریک کو چلانے والے لوگ ہی اگر خود ان چیزوں سے دور ہوں گے جن کی وہ اشاعت کرتے ہیں تو یہ محض ریا کاری ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

۱۰۔ قول وفعل کا ایک ہونا

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کیا خاص چیز ہے جس نے حضرت شیخ الاسلام کو دنیا کے نامور علماء و محققین اور مفکرین کی صف میں خاص مقام عطا کیا۔ پہلا علم ہے جو بے مثال ہے، دوسرا اس سے بڑھ کر ان کے قول اور عمل کا ایک ہونا ہے یعنی جو وہ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔

اگرچہ مناسب نہیں کہ اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا جائے لیکن محض تحدیثِ نعمت اور قول وفعل میں تضاد نہ ہونے کو قابلِ مثال بنانے کی خاطر بیان کرتا ہوں کہ جب میری پیدائش قریب تھی تو گھر میں کچھ پیسے ہسپتال کے اخراجات کے لئے جمع کیے ہوئے تھے۔

وہ روپے اتنے ہی تھے کہ جس قدر ہسپتال کے اخراجات میں کام آنے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے جمعہ کا خطاب فرمانا تھا کہ زائد از ضرورت رقم ان پر تقسیم کر دو جنہیں اس کی اَشد ضرورت ہے۔ آپ نے میری والدہ صاحبہ کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے اس موضوع پر خطاب کرنا ہے لیکن میں اس وقت تک اس موضوع پر ایک جملہ نہیں بول سکتا جب تک یہ پیسے گھر میں پڑے رہیں۔ چنانچہ جمعہ کے خطاب سے پہلے آپ نے وہ پیسے مستحقین میں تقسیم فرما دیئے اور پھر جمعہ کے خطاب کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کا ساری زندگی یہ عمل رہا ہے کہ وہ چیز کبھی نہیں کہتے جو خود نہیں کرتے۔ امت میں معاشرتی سطح پر ایک دوسرے سے بداعتمادی اسی تضاد کے باعث ہے۔ قرآن و سنت میں دو رنگی، ظاہر داری اور دکھلاوے پر بڑی وعید آئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (۱)

اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۝

اسی طرح حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

چند جنتی دوزخیوں کے پاس سے گزریں گے تو ان سے پوچھیں گے: تم کس وجہ سے دوزخ میں چلے گئے حالانکہ ہم تو تم ہی سے (بھلائی اور نیکی کے کام) سیکھ کر جنت میں داخل ہوئے ہیں۔ اہل دوزخ جواب دیں گے: ہم جو کچھ کہتے تھے (اس پر) عمل نہیں کرتے تھے۔ (۲)

قول و فعل کا تضاد اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اس کے باعث کوئی جدوجہد بارآور ثابت نہیں ہوتی۔ یہ اخلاص کی ضد ہے۔ جس فعل میں اخلاص نہ پایا جائے اس سے برکت اٹھا لی جاتی ہے چونکہ بدنیتی زیادہ دیر چھپ نہیں سکتی اور ناخالصیت بالآخر

(۱) البقرة، ۲: ۶۱

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۵۰، رقم: ۴۰۵

ظاہر ہو کر رہتی ہے اس لئے ایسی ہر کوشش عوام الناس میں پذیرائی حاصل کرنے سے محروم رہتی ہے۔ نتیجتاً ہر ریاکار ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر امت مسلمہ کو ٹکڑوں میں بانٹنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ لہذا اگر ہماری زندگیوں میں قول و فعل کا تضاد برقرار رہے اور ہم میں ہر کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر بیٹھا رہے تو سب کچھ لا حاصل ہوگا مثلاً کوئی کہے کہ میرا تو administrative کام ہے، میرا دوسرے معاملات سے کیا تعلق۔ یاد رکھیں! آپ اُس organization کا حصہ ہیں جس کی حیثیت ایک جسد کی مانند ہے۔ جب جسد کا کوئی حصہ بن جائے تو وہ جسد کو پہنچنے والے نقصان اور تکلیف سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ بلکہ جسد کے کسی ایک عضو کی تکلیف کی درد کو سارا جسم محسوس کر کے اس کے علاج کے درپے ہو جاتا ہے۔ اب اگر نظامتِ تربیت یا دروسِ عرفان القرآن کے شعبہ جات میں کوئی مشکل در پیش ہو اور آپ کہیں کہ ہم تو administration کے لوگ ہیں، ہمارا تو یہ کام ہی نہیں تو یہ بالکل نامناسب بات ہے۔ آپ بھی اس پورے جسم کے ایک جزو ہیں۔ کوئی بازو ہے، کوئی آنکھ ہے، کوئی سر ہے اور کوئی ٹانگ ہے۔ اس لئے ہر چیز کی اچھائی کا اطلاق بھی کُل پر ہوگا اور برائی کا اطلاق بھی کُل پر ہوگا۔ آپ اپنے آپ کو جدا نہیں کر سکتے۔ یاد رہے کہ مکمل انسان کو سزا اس لئے دی جاتی ہے کیونکہ وہ ذہن سے سوچتا ہے اور اس سوچ نے اسے برے کام پر مجبور کر دیا، ہاتھ تو صرف کارندے تھے جنہوں نے کام کر دیا۔ تو organization بھی ایک جسم کی مانند ہے اور اس کا دماغ top leadership ہے۔ انہوں نے آپ کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کا مشن کیا ہے؟ آپ نے پیغام کیا دینا ہے؟ اس لئے ہمیں اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی ہے کہ جو ہم بات کرتے ہیں اس کا رنگ ہماری زندگیوں میں نظر آئے۔

اگر ہم یہ عادات اس مرکز اور سرچشمے میں پیدا نہیں کر سکتے، چھوٹی چھوٹی باتوں کا کلچر نہیں پیدا کر سکتے تو ہم اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں کہ ملک میں انقلاب لائیں گے۔ یہ چھوٹی مگر بنیادی چیزیں بار بار کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تحریکی مرکز میں یہ چیزیں کلچر

کا حصہ بن جائیں کیونکہ ان کی عدم موجودگی ہمارے دعوؤں کو بے اثر کر دے گی اور انہی چیزوں کے ساتھ اللہ رب العزت کے کرم اور انعام کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر ہم ان اوصاف کو نہ اپنا سکے اور اس کے برعکس دیگر خصوصیات کی طرف متوجہ ہو گئے تو یہ اللہ کی رحمت اور انعام کے روٹھ جانے کا سبب ہو گا۔

۱۱۔ تحریک جواں جذبوں کی متقاضی ہے

یہ ایک انقلابی تحریک ہے، اس سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کی زندگی ایسے گزرنی چاہیے جیسے وہ مسلسل حالت جنگ میں ہے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ انسان کمزور ہوتا ہے اور کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ سست بھی پڑ جاتا ہے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہماری قیادت ایسی نہیں ہے، عمر کے ساتھ ساتھ ان کا عمل بڑھتا جا رہا ہے اور ان کے علمی و عملی کام کرنے کے اوقات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ تحریک میں شامل ہر کسی کو زندگی ایسے گزارنی چاہیے جیسے وہ مصروفِ جنگ ہے۔ اگر ہم ان چیزوں کو اپنی زندگیوں میں پیدا کریں اور اس پر بہتر اور بھر پور انداز میں عمل پیرا ہوں تو یقیناً اچھے نتائج پیدا ہوں گے۔

جدوجہد اِخلاص اور ایثار کا تقاضا کرتی ہے اور یہی تصوف کا دوسرا نام ہے۔ ہمارے اندر تصوف پر عمل کرنے کے حوالے سے بھی کمی اور کمزوری ہے۔ منہاج القرآن تصوف کی پیامبر تحریک ہے۔ اب تو لادینی تنظیمیں بھی تصوف کے کلچر کو اس کے لازوال فوائد کے حوالے سے اپنے ہاں فروغ دینا چاہ رہی ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے اندر ایک خوبصورت اور دوستانہ فیملی جیسا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جو باہمی مخاصمت یا قلبی رنجشوں کی موجودگی میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے عمل سے organization کی کامیابی بری طرح متاثر ہوتی ہے جبکہ خود پر دوسرے کو ترجیح دینا تصوف کا خاصہ ہے، اس لئے لادین ادارے بھی آج تصوف کو متعارف کروا رہے ہیں۔ ہم تو تصوف کے پیامبر ہیں اور ہمارے اور اس مرکز پہ کام کرنے والے لوگوں کے شب و روز اگر ان تعلیمات اور ان کے نتیجے میں روحانی کلچر پیدا ہونے سے خالی رہ جائیں تو یہ

بہت بڑے المیے اور دکھ کی بات ہوگی۔ تصوف کو اپنی زندگی میں فروغ دینے کے لئے تہجد کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں، برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں، اخلاق کو سنواریں، غیبت سے اجتناب کریں۔ تصوف کا مطلب دنیا سے کنارہ کش ہو جانا ہرگز نہیں ہے یہ تو سرتاپا اخلاق سنوارنے کا نام ہے۔ امت مسلمہ پر اتنے سخت حالات ہیں کہ آج پھر اُس زمانے کی ضرورت ہے کہ جو فلسفی، اسکالرز اور سائنس دان پیدا کرے۔ ایسا تصوف آپ کی زندگی کے لئے کافی ہو جائے گا جو وساوس سے نجات دلا کر نیکی اور حسن اخلاق کو ہمارے کردار کا حصہ بنا دے۔ آج تبدیلی اور انقلاب لانے کی ضرورت ہے، یہی اسلام کی اصل خدمت ہے۔ ماحول میں انقلابی تبدیلی جوان جذبوں کا تقاضا کرتی ہے۔ تحریک حرکت سے ہے، لہٰذا ہر وقت خود کو مشن کی تکمیل کے لئے متحرک رکھنا ہر فرد کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

۱۲۔ تحریک اور خواہشِ مراتب

ایثار اور بے لوث خدمت کی مثال ہم اس سے قبل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ذکر میں دے چکے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہوں نے سلطنتِ اسلامیہ کو فروغ دیا تھا، باوجود شام کی گورنری سے معزولی کے، مرتبے کی خواہش کو اپنے راستے کا پتھر نہیں بننے دیا اور پہلے سے زیادہ جذبہ سے سرشار ہو کر فتوحات حاصل کیں۔ ہمارے پیش نظر جدوجہد کا ہمیشہ یہی معیار ہونا چاہئے۔ ہر مرتبے، عہدے، پروٹوکول سے بے نیاز ہو کر دین کی اس جدوجہد میں مصروف رہنا چاہئے۔ ہمارے اندر ایسی سوچ نہیں آنی چاہیے کہ میں نے پچیس سال دے دیئے اب میرا protocole change ہونا چاہیے، یہ فتنہ ہے۔ تحریک پروٹوکول دے تو اچھا ہے لیکن ذہن میں اگر یہ فتنہ پیدا ہو کہ میرا protocole تبدیل ہونا چاہیے تو یہ گناہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے لئے کام کر رہا ہے۔

ہماری تحریک انقلاب کے لئے عمل پیرا ہے۔ انقلاب اور مشکلات کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور انہی مشکلات سے نبرد آزما ہو کر منزلیں ملتی ہیں۔ اگر راستے میں ہی

آسانی اور آرام کا خیال آ جائے تو انقلاب کی منزل نہ صرف مشکل بلکہ دور ہو جاتی ہے، انقلاب تو انہی راستوں پر چل کر آتا ہے جن راستوں پر پتھر ہوا کرتے ہیں، protocole نہیں ہوا کرتے۔ protocole اللہ کی دین ہے کہ وہ جس کو دے دے۔ انسان اگر یہ سوچے کہ میرے پاس یہ عہدہ ہے اور مجھے یہ protocole ملنا چاہیے، میرا یہ رتبہ اور آسائش ہونی چاہیے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے راستے مال و دولت کے حصول میں مصروف کسی تنظیم میں تلاش کرے وہاں پر بہت آسانیاں ہوں گی۔ یہ انقلاب کی تحریک ہے، یہاں پر راستوں میں ایسی کوئی جنتیں نہیں ہیں۔

تحریکی سفر میں آسانیاں ڈھونڈنے والے غلط جگہ پر آسانیاں ڈھونڈ رہے ہیں، جب تک انقلاب بپا نہیں ہوتا اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں سمجھیں، ہر شعبہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں کوشاں اور سرگرداں رہے۔ آپس میں حسد کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے بلکہ رشک کی کیفیت ہونی چاہیے کہ فلاں شعبے کی یہ progress ہے تو ہم اس سے بڑھ کر progress دیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی مدد اس وجہ سے نہیں روکنی چاہیے کہ دوسرے بہتر پوزیشن حاصل کر جائیں گے۔ ہمیشہ اس سوچ کو فروغ دیں کہ اگر وہ بہتر کارکردگی کریں گے تو تحریک کا فائدہ ہے۔ آپ صرف ایک شعبے کے ملازم یا کارکن نہیں ہیں بلکہ آپ کا ایک بڑا تعلق پوری تحریک کے ساتھ بھی ہے۔ اس تعلق کی طرف سے بھی ذمہ داریاں ہمارے اوپر لاگو ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے کی مدد کرنے سے ہرگز کترانا نہیں چاہیے کہ فلاں زیادہ نتائج پیدا کر دے گا تو ہم پیچھے رہ جائیں گے یا progress report میں اس کا اچھا شمار ہو جائے گا بلکہ اس کے برعکس اس مثبت سوچ کو فروغ دینا چاہئے کہ ہم سب کی کامیابی تحریک کی کامیابی پر منحصر ہے۔

۱۳۔ تحریک اور اِجتماعی سوچ

آپ اس progress report کی طرف توجہ رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہیں، دنیوی progress reports کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ آپس

میں ایک دوسرے سے محبت اور مدد کا رویہ ہونا چاہیے، اخلاقیات ہونی چاہیے، اچھے طریقے سے ڈیل کیا کریں۔ غیبت بالکل ترک کر دیں، جو شخص غیبت کرے اُسے وہیں پر روک دیا جائے کہ آپ غیر اسلامی اور تحریک کے منافی کام کر رہے ہیں۔ اس پر دوسرے کو برا منانے کی اجازت نہیں ہے، اسے اپنی اصلاح سمجھیں۔ اگر کسی کو تنظیمی معاملات میں اختلاف ہو تو مناسب فورم پر سب کے سامنے کھل کے اچھے طریقے سے بات کرے۔ چھپ کے ایک دوسرے کی پشت پیچھے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اچھے انسانی روّیے کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ آپس میں اچھے اخلاق روا رکھیں گے تو باہر کے لوگ بھی متاثر ہوں گے، اگر آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کا رویہ رہے گا تو ہم کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ یہ عمل کام یابی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسے ختم کرنا چاہیے۔ تحریک کی کامیابی ہی ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ اگر آپ کی ترجیحات کی وجہ سے تحریک کا رَتی بھر بھی نقصان ہوگا تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ کسی کی ذاتی ترجیحات تحریک کے ساتھ خیانت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے کہ ذاتی ترجیح گھر میں اچھی لگتی ہے۔ تحریک میں صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ترجیحات ہونی چاہییں، پھر اس کی اتباع میں ہماری قیادت کی ترجیحات کا درجہ آتا ہے۔ ترجیحات کا یہ ایسا معیار ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ حق بات یہ ہے کہ کسی بھی اسلامی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس بات سے مشروط ہے کہ وہ کہاں تک اللہ اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ کی رضا کے حصول میں کوشاں ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام کے طور پر یہ عرض ہے کہ تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی شخصیت ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کی ذات مجمع البحرین ہے کیونکہ یہاں بطریقِ نبوت اور بطریقِ ولایت ہر دو جانب سے فیض آتا ہے اور آگے بٹتا ہے۔ طریقِ ولایت میں صوفیاء کرام لوگوں کی تربیت کرتے ہیں اور طریقِ

نبوت میں علماء ربانیین ہوتے ہیں؛ جب کہ کئی شخصیات میں دونوں طریق جمع ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہم اللہ جیسے بزرگانِ دین طریقِ ولایت سے فیض کے اَمین بنے ہیں۔ تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی اور حضور قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤ الدین گیلانی رضی اللہ عنہ کے واسطے اور وسیلے سے اَہلِ بیت اَطہار علیہم السلام کے فیض کے امین ہیں، اور پھر اِن ہستیوں کے وسیلے سے طریقِ نبوت تک جاتے ہیں۔ چونکہ یہ تجدیدی فیض ہے اور مجدد آقا ﷺ کی بارگاہ سے بغیر کسی واسطے کے فیوضات لیتا ہے اور امین بھی ہوتا ہے۔ اِس طرح تحریک بھی آقا ﷺ کی بارگاہ اور قدمین مبارک سے دو طرح سے فیض لیتی ہے: ایک طریقِ ولایت سے اور دوسرا حضرت شیخ الاسلام کے ذریعے سے کیونکہ وہ مجدد ہیں اور ان کے واسطے سے براہِ راست بارگاہِ نبوت سے فیض ملتا ہے۔ لہٰذا اِس تحریک کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور ہمیشہ یہ سنگت وصحبت برقرار رہے۔ یہ تحریک پندرھویں صدی ہجری کی تجدیدی تحریک ہے جو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیرِ سرپرستی اِحیاءِ دین کا عظیم فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ اور یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہمیں یہ سنگت و خدمت نصیب ہوئی وگرنہ اللہ تعالیٰ کا تو سورۃ المائدۃ (آیت نمبر ۵۴) میں وعدہ ہے کہ اگر کوئی قوم اس کے دین کی خدمت سے انکار کردے گی تو اللہ تعالیٰ اُس قوم کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور اُس سے اپنے دین کا کام لے لے گا۔ پس ہمیں اِس عظیم نعمت کا شکر بجا لانا چاہیے اور ہمیشہ صدق وخلوص اور حسنِ نیت سے صرف اور صرف اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول کے لیے خدمتِ دین میں مصروفِ عمل رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہماری سعی ناتمام کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں اپنی منزل و 'مصطفوی اِنقلاب' کے حصول کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)